اس شمارے میں

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است (اداریہ)	ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری	۵
وفیات	ادارہ	۱۴
وصال حضور اکرم ﷺ	مفتی جلال الدین احمد امجدی	۱۵
سارے جہاں کا درد (سیدنا اویس قرنی کے کردار کی روشنی میں)	مفتی محمد سعید خان	۲۹
''اولیاء اللہ'' اور ''خوف وحزن''	صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی	۴۱
ارشادات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ	مولانا محمد قیوم الٰہی عرفانی	۴۷
حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر شاعر مشرق کی حاضری	محمد اصغر مجددی	۵۰
چودھویں صدی کے مجدد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ	مولانا محمد ناصر خان چشتی	۵۳
عیسائیہ عورت کا قبول اسلام	علامہ غلام جیلانی	۶۱
اعتذار	ادارہ	۶۴
''نامحرم کو محرم بنانے کا نسخہ''	ادارہ	۶۴
منزلیں	عقیل احمد پی ایچ ڈی سکالر	۶۵
تبصرہ کتب	ادارہ	۷۳
زکوٰۃ کے مصارف (مستحقین)	پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری	۷۵
جنت حاصل کرنے کا آسان طریقہ	علامہ مفتی محمد امین	۸۶
فضلائے دار العلوم حنفیہ فریدیہ کی سالانہ کانفرنس		۸۹
عرس سراپا قدس محترمہ اماں جی	صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری	۹۳
شہادت امام عالی مقام کانفرنس		۹۴
اوقاتِ نماز	ادارہ	۹۶

منظومات

حمد	راجا رشید محمود	۳
نعت شریف	راجا رشید محمود	۴
حضرت شاہ محمد گل قادری کابلی رحمۃ اللہ علیہ	محمد عبد القیوم طارق سلطان پوری	۶۰
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی زمین میں	راجا رشید محمود	۹۵

ماہنامہ نور الحبیب میں کاروباری اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کا ادارہ نور الحبیب ذمہ دار نہیں ہے۔
ادارہ کا مضمون نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

حمد

دیں کی کتاب خاص ہے، دیں کا نصاب خاص — دنیا میں لایا جس سے خدا انقلاب خاص
جو شعر لکھا حمدِ خدائے جلیل میں — آقا سے میں نے اس کا کیا انتساب خاص
مومن کی زندگی میں ہو اس سے مطابقت — ہے ضابطہ حیات کا ام الکتاب خاص
خلوت میں مصطفیٰ ﷺ کو بلایا غفور نے — سب انبیاء علیہم السلام میں ان کا رہا انتخاب خاص
دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں ہوئی جس کی حاضری — وہ بارگاہِ رب میں ہوا باریاب خاص
کرنا سوال رحمتِ سرور ﷺ کی اوٹ سے — آئے گا بارگاہِ خدا سے جواب خاص
''مَا زَاغَ'' کی نگاہیں ہی اس کو اٹھا سکیں — وحدت کے چہرے پر جو پڑی ہے نقاب خاص
القاب یوں نبی ﷺ کو خدا نے بہت دیے — ''یا ایھا الرّسول'' رہا ہے خطاب خاص
جس میں رچی ہوئی ہے قدومِ نبی ﷺ کی بو — رب و نبی کے شہروں کی پائی تراب خاص
بندوں سے جو بھی پیار کا کرتے نہیں سلوک — رب نے رکھے ہیں ایسوں کی خاطر عذاب خاص
جس رات رب نے سیر کرائی حضور ﷺ کو — اس رات بھی تھے آپ ہی عزت مآب خاص
محمودؔ اس کو صرف پڑھا ہے حضور ﷺ نے — جو تھا کتابِ عشق میں وحدت کا باب خاص

راجا رشید محمود

نعت شریف

آقا حضور! مجھ پہ کریں لطف آج خاص — محتاج خاص ہوں، ہے مری احتیاج خاص
آقا ﷺ کے نور سے ہے جہانوں کی روشنی — محبوب ﷺ کو کہا ہے خدا نے سراج خاص
ہیں عالمین کے لیے رحمت ، نتیجۃً — ہر کائنات پر ہے پیمبر ﷺ کا راج خاص
"تلك الرسل" کے حرفِ خدا نے بتا دیا — سرکارِ کائنات ﷺ کے سر پر ہے تاج خاص
ہر وقت ذکرِ آقا و مولا ﷺ میں ہوں مگن — کچھ اور زندگی میں نہیں کام کاج خاص
کہتا ہوں نعت، لکھتا ہوں سیرت کے واقعات — اپنی عقیدتوں کا یہی ہے خراج خاص
عادت ہے ظاہراً تو عبادت ہے باطناً — وردِ درودِ پاک ہے ایسا رواج خاص
پہنچیں خطا شعار مزکی رسول ﷺ تک — کرتے ہیں زخم معصیت کا وہ علاج خاص
نعتوں میں حمد، حمد میں مدحِ رسول پاک ﷺ — ہوتا ہے حمد و نعت کا یہ امتزاج خاص
میری ہر اک خوشی کا تعلق نبی ﷺ سے ہے — پایا ہے فضلِ ربّ جہاں سے مزاج خاص

تحسین و منفعت سے ہے محمودؔ بے نیاز
ہے اس کی لوحِ شعر پر یہ اندراج خاص

راجا رشید محمود

فاش گویم آنچہ در دِل مُضمر است

ڈاکٹر ضیاء الحبیب صابری

بھارتی روزنامہ "Times of India" نے اپنی اشاعت ۱۹ر مئی ۱۹۸۸ء میں واشنگٹن کی ڈیٹ لائن کے ساتھ ایک خبر شائع کی، جس کی ہیڈ لائن یہ تھی:

US spy satellites detected the explosion on the night of May, 12.---

"امریکی جاسوسی سیاروں نے یہ دھماکہ ۱۲ر مئی کی رات ہی کو جان لیا تھا"---

یہ دھماکہ سوویت یونین کے دارالحکومت ماسکو سے جنوب مغرب میں تقریباً ۸۰۰ کلومیٹر کی دوری پر قائم ایک فوجی سامان سازی کے کارخانے Pavlograd Plant میں ہوا تھا، اس کارخانے میں انٹرکانٹی نینٹل بالسٹک میزائل کے Rocket Motors بنائے جاتے تھے۔ اپنے مقصد کے قیام کی تکمیل وتحصیل کے لیے ملک کا یہ واحد کارخانہ تھا، جسے دنیا کی نگاہوں سے مخفی رکھنے کی ہر ممکن ٹیکنالوجی استعمال کی گئی تھی۔ اس کارخانے میں کسی نامعلوم وجہ سے زبردست دھماکہ ہوا، جس کے نتیجے میں اس کارخانے کا بڑا حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔

سوویت یونین کے لیے یہ دھما کہ بہت بڑا نقصان تھا اور اس تباہی کو دشمن مما لک خصوصاً امریکہ وغیرہ سے مخفی رکھنا بہت ضروری تھا۔ چناں چہ سوویت یونین کے کسی نشریاتی ادارے نے اس حادثہ کی کسی کو بھنک تک نہ پڑنے دی---لیکن امریکی ''خلائی آنکھ'' نے دنیا پر ہونے والے دیگر واقعات کی طرح اس کو بھی دیکھ لیا، بلکہ اسے ریکارڈ کرلیا اور اس حادثہ کی خبر پوری دنیا میں نشر کردی، جس کی روس کو تائید کرنا پڑی۔

کم وبیش بائیس برس پرانے Reported واقعہ کو چھوڑیے، اپنے پاک وطن میں خفیہ کیمروں کی بھرمار ہے---ٹریفک پولیس نے چوراہوں میں ٹریفک نگرانی کے لیے c.c.t.v. کیمرے نصب کر رکھے ہیں، جو ہر گزرنے والی گاڑی کی تصویر ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں کنٹرول روم کو بھیج دیتے ہیں اور یوں سڑکوں پر چلنے والے لوگ ''کیمرے'' کے ڈر سے قوانین کی خلاف ورزی کی جرأت نہیں کرتے اور اگر کوئی سر پھرا قانون شکنی کا مرتکب ہو تو اُسے فوراً گرفت میں لایا ''جاسکتا'' ہے۔ مجرم اگر انکار کرے تو کیمرے کی بھیجی ہوئی تصویر سامنے کردی جاتی ہے، جس پر اسے تسلیم کیے بنا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

آج کل Wikileaks کی طرف سے قیامت خیز انکشافات کا پوری دنیا کو سامنا ہے، جس نے بڑے بڑوں کی بولتی بند کردی ہے--- ڈھیٹ لوگوں کا ذکر نہیں--- بڑی بڑی رعونت مآب ہستیوں کے ہاتھوں کے طوطے اور راتوں کی نیندیں اُڑ گئی ہیں۔ دعوائے خدائی رکھنے والے لرزہ براندام اپنی قوموں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ مسلم دنیا کے جعلی تقدس مآبوں کی جو بھد اُڑی ہے، اس پر دجل وفریب کے تمام طاغوتی محلات میں ہل چل سی مچی ہوئی ہے۔ Julian Assange کی ایک سائٹ Wikileaks جس نے لاکھوں خفیہ رپورٹس کا تعاقب کیا ہے اور ان میں سے ابھی تک صرف چند ہزار عوام تک پہنچ سکی ہیں، ان چند ہزار ہی میں پاکستان کی بھاری بھرکم سیاسی شخصیات کے جوڑ توڑ کی رپورٹس آچکی ہیں--- ان شرم ناک انکشافات میں پاکستانی سیاست دانوں، فوجی جرنیلوں اور اشرافیہ کے نام ابھی منظر عام پر آئے ہیں اور آئے ہی جارہے ہیں۔ سیکولر لیڈر ہوں یا نام نہاد اہل دین ومذہب، کرپشن کے حمام میں سب بے لباس ہیں۔ جولین اسانج نے دنیا کے بارے میں جو بتایا، وہ اپنی جگہ، لیکن ''قرآن مجید'' پر ایمان کی دعوے دار بے بصیرت ٹولی نے جو بھیانک کردار پیش کیا ہے، اس کی تو مذمت بھی بے معنی وبے کار ہے۔ اگر اسلام کے اِن جھوٹے نام لیواؤں کا قرآن مجید سے ذرا سا بھی تعلق ہوتا تو ایسا ہرگز نہ ہوتا:

درسِ قرآن گر ہم نے نہ بھلایا ہوتا

یہ زمانہ نہ زمانے نے دِکھایا ہوتا

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ○---[آلِ عمران، آیت:۱۱۸]

''ایمان والو! غیروں کو رازدار مت بناؤ، وہ تمھیں نقصان دینے میں کمی نہیں کرتے، وہ تمھیں سخت تکلیف دینے کے آرزومند ہیں، کچھ بغض تو اُن کی زبانوں سے ظاہر ہوچکا اور جو انھوں نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، ہم نے تمھارے لیے نشانیاں بیان کردی ہیں، اگر تم عقل کرو''---

مسلمانوں کو اقوامِ عالم سے مختلف نوعیت کے تعلقات رکھنا ہوتے ہیں---اس تعلق سازی میں جس بنیادی اور ضروری احتیاط کو مدنظر رکھنا ہے، وہ اپنے قومی وملی راز ہیں---تعلقات جس نہج پر ہوں اور جس نوعیت کے بھی ہوں، ریاستی حوالے سے یا ذاتی سطح کے، کسی بھی صورت میں ''غیروں'' کو راز مت دو۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آخری ہدایت کے حاملین کو بتادیا کہ تمھیں دنیا جہان سے الگ تھلگ کسی بیابان میں زندگی نہیں گزارنی، تمھیں آباد دنیا کے مختلف خیال مذاہب وملل سے واسطہ پڑنا ہے، جسے تم باوقار اسلوب مراسم میں اپناؤ گے اور جو چیزیں تمھاری ملت یا ریاست کے لیے راز کا درجہ رکھتی ہیں، انھیں غیروں سے محفوظ رکھنا ہے۔ دنیا بھر سے کٹ کر رہنے کا حکم نہیں، بلکہ اس کو واضح کردیا---

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَ ظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَ مَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ○---[الممتحنہ، آیت:۹]

''اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تو تمھیں صرف اُن لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمھارے گھروں سے تمھیں نکالا یا تمھیں نکالنے میں مدد کی، کہ تم انھیں دوست بناؤ، جو کوئی ان کو دوست بنائے گا وہی ظالم ہے''---

اس حکمِ ربانی نے بین الاقوامی تعلقات کا طریقہ واضح فرمادیا کہ کن لوگوں سے تعلقات ہوں اور اگر کسی سے نہیں ہوں گے تو اس کی بنیادی واساسی وجہ کیا ہوگی---حالیہ پاک چین معاہدوں کو

اسی نظر سے دیکھنا چاہیے--- اقوامِ عالم میں پاکستان کے خلاف جو نفرت اور بے اعتباری کی گہری دُھند چھائی ہوئی ہے، چینی سربراہ حکومت کے بیانات نے اہل وطن کو ڈھارس دی ہے--- خدا کرے ہمارے سیاسیّین پھر کسی ''گوری'' کے سامنے حالِ دل بیان کرنے نہ بیٹھ جائیں---

کاش---! سب انسان نہ سہی، مسلمان تو غور کرتے کہ دُنیوی علوم نے ایسے آلات تیار کر لیے جو خلاؤں سے زمین پر بسنے والی مخلوق کی ہر حرکت، ہر آواز، ہر ادا، اُفق پر دُور خلاؤں میں ریکارڈ ہو رہی ہے--- کیا یہ سائنسی ایجادات کتاب ہدایت قرآن مجید اور صاحب قرآن کی اٹل اور ناقابل انکار صداقتوں کا اعلان و اقرار اور تائید نہیں!

برقی مواصلات کے کسی چینل پر ''وِکی انکشافات'' پر تبصرہ کے دوران بتایا گیا کہ اب وزراء اور مشیران خواتین و حضرات کافی محتاط ہو گئے ہیں--- بات کرتے ہوئے انکشافات سے اجتناب فرما رہے ہیں--- خدا کرے یہ اجتناب غیروں سے گفتگو میں بھی پیشِ نظر رہے---

اپنے ہی جیسے انسانوں کی ''رسائی'' سے خوف زدہ ارباب اسرار و رموز کے لیے قرآن مجید کے بیان فرمودہ کچھ نور پارے سینۂ قرطاس پر رقم ہیں--- پہلی بات جو قرآن مجید اپنے ماننے والے کو بتاتا ہے، وہ یہ کہ بندے کی ہر ہر حرکت، ہر ہر عمل، حتیٰ کہ منہ سے نکلنے والے الفاظ (بے معنی ہوں یا بامعنی) سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے--- جو ایک مقررہ دن میں بلا کم و کاست، مِن و عَن اُسے دکھایا جائے گا---

وَ کُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلۡقٰىہُ مَنۡشُوۡرًا۝ اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا۝---

[الاسراء، آیت: ۱۳، ۱۴]

''اور ہم نے ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کی گردن میں ڈال دیا ہے (جسے) ہم قیامت کے دن نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا (پھر اسے کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھ، آج تو اپنا حساب جانچنے کے لیے کافی ہے''---

وَ وُضِعَ الۡکِتٰبُ فَتَرَی الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُشۡفِقِیۡنَ مِمَّا فِیۡہِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ یٰوَیۡلَتَنَا مَا لِہٰذَا الۡکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَۃً وَّ لَا کَبِیۡرَۃً اِلَّاۤ اَحۡصٰہَا ۚ وَ وَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا۝--- [الکہف، آیت: ۴۹]

''اور اعمال نامہ سامنے رکھا جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں جو لکھا ہے

مجرم اسے دیکھ کر ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے، ہائے! ہماری بربادی، یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹی بات چھوڑی ہے نہ بڑی، سب کو گن رکھا ہے اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا اُسے وہ موجود پائیں گے اور (یارسول اللہ!) آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا''---

اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ۝ مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ۝--- [قٓ، آیت: ۱۷، ۱۸]

''جب دو لینے والے لیتے ہیں، ایک دائیں طرف بیٹھتا ہے اور دوسرا بائیں طرف، جو لفظ بھی وہ بولتا ہے، ایک نگران (لکھنے کے لیے) تیار بیٹھا ہے''---

وَ کُلُّ شَیۡءٍ فَعَلُوۡہُ فِی الزُّبُرِ۝ وَ کُلُّ صَغِیۡرٍ وَّ کَبِیۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ۝---

[القمر، آیت: ۵۲، ۵۳]

''اور لوگ جو کچھ کر چکے ہیں، اعمال ناموں میں موجود ہے، چھوٹا اور بڑا سب کچھ لکھا ہوا ہے''---

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ۝ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝---

[الزّلزال، آیت: ۷، ۸]

''اور جس نے ذرّہ بھر بھی نیکی کی ہوگی، وہ اُسے پالے گا اور جس نے ذرّہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اُسے پالے گا''---

نامۂ اعمال جو گردنوں میں حمائل کیا ہوا ہے، اس کی کیفیت آج کا انسان ابھی تک نہیں جانتا، مگر سمجھنا چاہے تو روزمرہ استعمال کی چیز ''موبائل فون'' کی حقیری سی (Chip) چپ ہی کافی معتبر دلیل ہے--- اِس ذرا سی چپ میں ہزاروں نام و نمبرز کے علاوہ قرآن پاک و احادیث کا بڑا ذخیرہ اور کتب تفاسیر انٹرلنک ہوتی ہیں--- یہ بندے کی ایجاد کا کمال ہے تو احسن الخالقین کی تخلیقات کا عالم کیا ہوگا--- اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے مامور و ماذون بندوں (فرشتوں) کی حسنِ کارکردگی میں کسی شائبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ اپنے خلقت میں خطا و سہو سے معصوم پیدا کیے گئے ہیں--- اور یہ چاق چوبند کارکنان اپنی ذمہ داری کمال تیزی اور دیانت سے سرانجام دیتے ہیں---

''Wikileaks'' کو ماننے والے مسلمانوں سے صرف اتنی گزارش ہے کہ اپنے رب کے بیانات کی صداقتوں پر غور کریں، شاید زندگی کو وسعت مل جائے--- اس جہل و فریب اور ضلالت میں لتھڑی زندگی پر

سوائے ندامت کے کیا ہاتھ آئے گا---حشر کا دِن، جسے بالیقین آنا ہے اور آ کے رہے گا۔ اس دنیا و مافیہا کی تباہی کے مناظر قرآن مجید میں اسلوب بدل بدل کر جا بجا دہرائے گئے ہیں۔ یہ حشر کا پہلا مرحلہ ہے---دیکھیے یہ کیسا ہوگا:

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا---[الواقعہ، آیت:۴]

''جب زمین خوب زور سے ہلائی جائے گی''---

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا○ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا○ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا○یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا○ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا○---

[الزّلزال، آیت:۱ تا ۵]

''جب زمین خوب زور سے ہلائی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر نکال دے گی تو انسان کہے گا، اس کو کیا ہو گیا ہے! اس دن وہ بولے گی کہ اس کے رب نے اسے بولنے کا اشارہ کیا ہے''---

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا---[المزّمّل، آیت:۱۴]

''جس دن زمین اور پہاڑ کپکپائیں گے اور پہاڑ بھُر بھُرے ہو جائیں گے''---

وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا○---[الکہف، آیت:۸]

''اور بے شک جو کچھ اس زمین پر ہے (نابود کر کے) اِسے بنجر بنانے والے ہیں''---

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ○فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ○---[الحاقہ، آیت:۱۳ تا ۱۵]

''پھر جب ایک بار صور پھونکا جائے گا، پھر ایک ہی بار پٹخ کر وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، تو اُس دن آنے والی آپڑے گی''---

كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا---[الفجر، آیت:۲۱]

''یقیناً جب زمین پاش پاش کر کے ریزہ ریزہ ہو جائے گی''---

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ○---[الزمر، آیت:۶۷]

''اور انہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وہ قدر نہ کی جیسا اس کا حق تھا، ساری کی ساری زمین قیامت کے دن اُس کی مُٹھی میں ہوگی اور تمام آسمانی کُرّے اس کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے، وہ پاک و بلند تر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ شریک ٹھہراتے ہیں''---

وَ یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا○---[الکہف، آیت:۴۷]

''اور (وہ دن قیامت کا ہوگا) جس دن ہم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے چلائیں گے اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی (اس پر کچھ بھی نہ بچے گا) اور انہیں ہم جمع کریں گے تو کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے''---

وَ تَسِیْرُ الْجِبَالُ سَیْرًا---[الطور، آیت:۱۰]

''اور پہاڑ چلیں گے اپنی چال''---

وَسُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا---[النباء، آیت:۲۰]

''اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو جائیں گے''---

وَ اِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ---[التکویر، آیت:۳]

''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''---

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ---[المزّمّل، آیت:۱۴]

''جس دن زمین اور پہاڑ کپکپائیں گے''---

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ---[المعارج، آیت:۹]

''اور پہاڑ مثلِ اُون کے ہوں گے''---

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ○---[القارعہ، آیت:۵]

''اور پہاڑ مثلِ دُھنکی ہوئی اُون کے ہوں گے''---

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا○---[المزّمّل، آیت:۱۴]

''جس دن زمین اور پہاڑ کپکپائیں گے اور پہاڑ بھُر بھُرے ٹیلے ہو جائیں گے''---

وَ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ○ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا○---[الواقعہ، آیت:۵، ۶]

''اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑائے جائیں گے، سو وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے''---

وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ o---[المرسلٰت، آیت:۱۰]

''اور جب پہاڑ اُڑائے جائیں گے''---

وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ---[التکویر، آیت:۶]

''اور جب سمندر جھونکے جائیں گے''---

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ---[الانفطار، آیت:۳]

''اور جب سمندر چیرے جائیں گے''---

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ---[القمر، آیت:۱]

''قیامت پاس آئی اور چاند پھٹا''---

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ o وَ خَسَفَ الْقَمَرُ o وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ o---[القیٰمہ، آیت:۷تا۹]

''پھر جب آنکھیں پتھرا جائیں اور چاند کو گہن لگے اور سورج اور چاند اکٹھے کیے جائیں''---

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ o---[التکویر، آیت:۱]

''جب سورج لپیٹا جائے گا''---

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ o---[المرسلٰت، آیت:۸]

''اور جب ستارے بے نور کیے جائیں گے''---

وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ o---[التکویر، آیت:۲]

''اور جب ستارے ماند پڑ جائیں گے''---

وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ---[الانفطار، آیت:۲]

''اور جب ستارے جھڑنے لگیں گے''---

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا---[الفرقان، آیت:۲۵]

''اور جس دن بدلی کے نیچے سے آسمان پھٹے گا اور فرشتے اُتارے جائیں گے''---

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ---[الرحمٰن، آیت:۳۷]

''پھر جب آسمان پھٹ جائے گا اور سرخ نری کی مانند ہو جائے گا''---

وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ---[الحاقہ، آیت:۱۶]

''اور آسمان پھٹ جائے گا سو وہ اُس دن کمزور ہو گا''---

وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ---[المرسلٰت، آیت:۹]

''اور جب آسمان میں شگاف کیا جائے''---

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ---[التکویر، آیت:۱۱]

''اور جب آسمان کی کھال کھینچی جائے''---

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ---[الانفطار، آیت:۱]

''جب آسمان چِر جائے''---

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ---[المعارج، آیت:۸]

''جس دن آسمان پگھلے تانبے کی طرح (سرخ) ہو جائے گا''---

اِن آیات کو بار بار پڑھیے اور غور و فکر سے پڑھیے، اپنی گزری زندگی کی غفلتوں پر ندامت و تاسف کے آنسو بہایئے---سورۂ محمد کی چوبیسویں آیت:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَقْفَالُهَا---

''کیا لوگ قرآن پاک میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں''---

اگر ذہن میں مستحضر رہے تو بہت سی بدبختیوں سے بچا جا سکتا ہے---ان مبارک آیات نے آپ کے دروازۂ دل پر جو دستک دی ہے، وہ اگر آپ نے سن لی ہے تو مبروک الف الف مبروک---لیکن اگر کجی اور قساوت کے زنگ کی تہیں دبیز ہیں، تو اس کو صیقل کرنے کی واقعی اور سچائی سے لبریز کوشش کیجیے:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

سحر گاہی میں قرآن اپنے قاری کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور قاری کو بھی دولت قرب عطا فرماتا ہے:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

✿✿✿✿✿

وفیات

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

مولانا ابو الاسد محمد اللہ دتہ، پاک پتن شریف

علماء وفضلاء تیزی سے راہیٔ ملک بقا ہو رہے ہیں---اور اب مولانا الحاج ابو الاسد محمد اللہ دتہ بھی سفر آخرت پر روانہ ہوگئے--- انا للہ و انا الیہ راجعون

موصوف حضرت سیدی فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کے قدیم تلامذہ میں سے تھے---بھائی پھیرو، ساہیوال، قصور، حجرہ شاہ مقیم اور اسّی کی دہائی میں دربار عالیہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ پاک پتن شریف کی مسجد میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے---وہ اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے---۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ کو اسّی سال کی عمر میں وصال فرمایا---اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے عالم وفاضل صاحبزادے مولانا حافظ محمد اسد اللہ اور دیگر صاحبزادوں کو صبر جمیل سے نوازتے ہوئے دینی خدمات سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے---

حاجی خدا بخش نوری

یکم محرم الحرام کو حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے مرید خاص حاجی خدا بخش نوری وفات پا گئے---وہ بہت دھیمے مزاج کے مخلص انسان تھے---کاروباری حلقوں میں ''نوری'' کے نام سے پہچانے جاتے تھے---عرس حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے موقع پر لنگر کی نگرانی کرتے اور پوری ذمہ داری سے ڈیوٹی نبھاتے---اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے---علاوہ ازیں

●......علامہ ابو الفیض علی محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ (وہاڑی) کے بڑے داماد، فاضل دار العلوم ہذا مولانا محمد شفیع نوری، ٹاؤن شپ لاہور، یوم عاشور کو عصر کے بعد وصال پا گئے---●......فاضل دار العلوم ہذا مولانا منیر احمد نوری فرید پوری کے جواں سال پوتے اور میاں محمد اسلم کے صاحبزادے حافظ محمد عمیر ٹریفک حادثے میں---●......مولانا محمد عقیل نوری، چورستہ میاں خاں کے والد گرامی---●......مولانا رشید احمد نوری، موضع مودہ کے دادا جان---اور

●......حافظ محمد قربان قادری، قصور کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں--- انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ اجمعین

وصال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مفتی جلال الدین احمد امجدی

جب کوئی شخص کسی مقصد اور کسی غرض سے اپنا مرکز چھوڑ کر دوسرے مقام پر جاتا ہے، تو مقصد پورا ہو جانے اور مطلب حل ہو جانے کے بعد وہ اپنے مرکز اصلی کی طرف واپس ہو جاتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد تھا دین اسلام کے احکام خدا کے بندوں تک پہچانا اور ان کو توحید پرست بنا کر ان کے نفوس کا مکمل تزکیہ فرمانا۔

جب آپ کا مقصد پورا ہو گیا اور خدائے عزوجل نے آیت کریمہ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ [پارہ ۶، رکوع ۵] نازل فرما کر آپ کے دین کے کامل ہونے کی خوش خبری سنائی اور اپنی نعمتیں آپ پر پوری فرما دیں، تو آپ کا اپنے مرکز اصلی، مقام مقدس کی طرف جانے کا وقت قریب آ گیا، جس کا علم آپ کو بہت پہلے سے تھا۔ اسی لیے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے لوگوں سے فرمایا:

''شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں''---

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سورہ ﴿اِذا جاء نصر اللہ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر نور نظر صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بلایا

اوران سے فرمایا ((نُعِیَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ)) ''مجھ کو میرے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے''۔ یہ سن کر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَبْکِیْ فَاِنَّکِ اَوَّلُ اَھْلِیْ لَاحِقٌ بِیْ))---

''اے فاطمہ! روؤ نہیں، میرے اہل بیت میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کروگی''---

یہ سن کر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔ یہ دیکھ کر ازواج مطہرت رضی اللہ عنہن میں سے بعض بیویوں نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ پہلے ہم نے آپ کو روتے دیکھا اور پھر ہنستے دیکھا، اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور ﷺ نے مجھ کو بتایا کہ آپ کو آپ کے آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر میں رونے لگی، آپ نے فرمایا، روؤ نہیں، میرے اہل بیت میں سے پہلے تو ہی مجھ سے ملے گی، یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔

دارمی شریف کی ایک حدیث ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس علالت میں، کہ جس میں آپ نے وصال فرمایا، گھر سے باہر تشریف لائے، اس حال میں کہ اپنے سر پر کپڑا باندھے ہوئے تھے۔ ہم لوگ اس وقت مسجد میں تھے۔ حضور ﷺ مسجد میں داخل ہو کر منبر کی طرف تشریف لے گئے اور اس پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

((وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَی الْحَوْضِ مِنْ مَقَامِیْ ھٰذَا))---

یعنی ''قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اس منبر پر بیٹھے ہوئے حوض کرثر کو دیکھ رہا ہوں''---

پھر فرمایا، خدا کا ایک بندہ ہے، جس کے سامنے دنیا اور دنیا کی زینت پیش کی گئی مگر اس نے آخرت کو اختیار کر لیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رو پڑے اور عرض کیا، یارسول اللہ! ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان ہو جائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر بہت متعجب ہوئے کہ وہ ایسا کیوں فرما رہے ہیں؟ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس بوڑھے کو دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ جس کو خدائے عزوجل نے دنیا کی تر و تازگی اور

آخرت کے درمیان اختیار دیا ہے۔ اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ لیکن رازدار نبوت رضی اللہ عنہ فوراً سمجھ گیا تھا کہ وہ بندہ خود حضور ﷺ ہیں۔

اصدق الصادقیں ، سید المتقیں
رازدارِ نبوت پہ لاکھوں سلام

شہداء احد کو اپنی زیارت سے مشرف فرمایا

بخاری اور مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکا اقدس ﷺ نے شہدائے احد رضی اللہ عنہم پر آٹھ برس کے بعد نماز جنازہ پڑھی (حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ یا شہدائے احد کی خصوصیت میں سے ہے کہ آپ نے آٹھ برس کے بعد ان پر نماز جنازہ پڑھی) گویا آپ زندوں اور مردوں کو رخصت فرما رہے ہیں۔ شہدائے احد کو اپنی زیارت سے مشرف فرمانے کے بعد لوٹے تو منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا، میں تم سے پہلے جا رہا ہوں، میں تم لوگوں کے دعوت اسلام کے قبول کرنے اور اطاعت و فرماں برداری کے بجالانے پر گواہ ہوں اور تم سے ہماری ملاقات کا مقام حوض کوثر ہے اور میں اس جگہ سے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ اور فرمایا ((اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ)) یعنی ''بے شک مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں''۔

آخری وصیت

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ سرکار اقدس ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے بلال! جا کر اعلان کر دو کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں، میں ان کو وصیت کروں گا اور کہہ دو کہ رسول خدا ﷺ کی یہ آخری وصیت ہوگی۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف کے بازاروں اور گلیوں میں اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت سننے کے لیے مسجد نبوی میں سب لوگ حاضر ہو جائیں۔ تو اس اعلان کو سن کر لوگ اس قدر گھبرا گئے کہ دوکانوں اور گھروں کو ایسے ہی کھلے ہوئے چھوڑ کر مسجد میں حاضر ہو گئے اور اتنے لوگ جمع ہوئے کہ مسجد نبوی میں گنجائش نہ رہی۔ حضور ﷺ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور طویل خطبہ فرمایا، جو وقت اور حال کے مناسب نصیحت اور احکام شرع پر مشتمل تھا اور فرمایا:

''اے لوگو! میرا سفر آخرت قریب ہے۔ جان و مال اور سامان وغیرہ کا کوئی بھی حق کسی شخص کا مجھ پر ہو تو اس کا بدلہ آج مجھ سے لے لے''---[مدارج النبوۃ]

نبی کریم ﷺ کا یہ اعلان اس لیے تھا، تاکہ حقوق العباد کی ضرورت ان کی امت پر اچھی طرح واضح ہوجائے اور وہ ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی سے ہمیشہ دور رہے۔

علالت کی ابتدا

حضور ﷺ کے مرضِ وفات کی ابتدا کب ہوئی، اس کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب ماہ صفر کے ختم ہونے کے ایک یا دو روز باقی رہ گئے تھے، تب علالت کی ابتدا ہوئی، یعنی سر میں درد پیدا ہوا اور حضرت سلیمان تیمی جو کہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں، انہوں نے اس بات پر جزم کیا ہے کہ ۲۲ صفر کو مزاج مبارک ناساز ہوا۔

[اشعة اللعمات]

مزاج اقدس کی ناسازی کے زمانہ میں بھی آپ پانچ دن تک ازراہِ عدل، باری باری ایک ایک زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض میں بہت شدت پیدا ہوگئی تو ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں قیام فرمایا اور جب تک طاقت رہی آپ خود مسجد نبوی میں نمازیں پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے مرض نے جب غلبہ کیا تو آپ نے فرمایا:

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ---

''ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں''---

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! وہ نرم دل ہیں، آپ کی جگہ پر کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ دوبارہ فرمایا، ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی عذر پیش کیا تو حضور ﷺ نے تیسری بار پھر وہی حکم بتاکید فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں انہوں نے ۱۷ نمازیں پڑھائیں۔ علمائے کرام فرماتے ہے کہ اس حدیث میں بہت واضح دلالت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطلقاً تمام صحابہ سے افضل اور خلافت و امامت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

حدیث قرطاس

بخاری و مسلم میں ہے کہ وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب سرکار اقدس ﷺ کا درد بہت بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا، میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ، میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں

تاکہ اس کے بعد تم نہ بھکو، تو صحابہ میں اختلاف ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس وقت حضور کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے، تمہارے پاس قرآن ہے، وہی اللہ کی کتاب تمہارے لیے کافی ہے۔ بعض لوگ کہتے تھے، حضور ﷺ کے پاس لکھنے کا سامان رکھ دو اور کئی لوگوں نے کہا:

مَا شَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ---

حضور کا کیا حال ہے؟ کیا جدائی کا وقت قریب آگیا؟ آپ سے دریافت کرو۔

بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کرنا شروع کیا، تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اس لیے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روک دینے سے یہ معاملہ رہ گیا۔ تو اس شبہ کا جواب ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا، اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق حضور ﷺ نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا، جیسا کہ مسلم شریف، جلد دوم، صفحہ ۲۷۳ میں ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ان کے لیے وصیت نامہ لکھ دوں، اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے۔ مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور نے خود بخود لکھنا موقوف کردیا اور پھر اگر خلافت کے لیے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لیے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرہ مبارکہ میں موجود تھے، ان کے سامنے زبانی وصیت کردینا ہی کافی تھا۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ کھڑے ہوئے اور حضرات عباس و علی رضی اللہ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، جب انہوں نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے، حضور ﷺ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ نہ ہٹو، آپ حضور ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے، یعنی ان کو اپنے داہنے کیا اور اس طرح آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر دوسرے لوگ نماز کے ارکان ادا کرتے رہے۔ نماز کے بعد

آپ نے ایک خطبہ دیا، آپ نے صحابہ کرام کو بہت سی وصیتیں فرمائیں۔

حدیث شریف میں ہے، جب آپ کی علالت بہت سخت ہو چکی تھی، آپ کو یاد آیا کہ میری ملکیت میں چھ سات اشرفیاں ہیں۔ آپ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں، مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں تو حضور ﷺ نے خود ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا کہ یہ مناسب نہیں کہ اللہ کا نبی خدا تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں۔ [اشعة اللمعات]

مرض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، دوشنبہ (پیر) کے روز، جس دن آپ کی وفات ہوئی، صبح کے وقت آپ کی طبیعت بظاہر پرسکون تھی مگر دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔

بخاری شریف میں ہے، حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وفات سے کچھ پہلے حضور میرے سینے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر اس حال میں آئے کہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں جانتی تھی کہ آپ مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا، کیا میں عبدالرحمٰن سے آپ کے لیے مسواک لے لوں، آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا کہ ہاں لے لو۔ میں نے عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر آپ کو دے دی، مگر آپ کو اس مسواک کا چبانا دشوار معلوم ہوا، اس لیے کہ وہ سخت تھی۔ میں نے عرض کیا، کیا میں مسواک کو نرم کر دوں؟ آپ نے اجازت دے دی تو میں نے مسواک کو نرم کر دیا اور آپ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا۔

آپ کے سفر آخرت کا وقت آ رہا تھا، سانس کی گھر گھراہٹ سینہ میں محسوس ہوئی تھی، اسی درمیان میں لب مبارک ہلے، تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے:

اَلصَّلٰوةُ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ---

یعنی "نماز (کی پابندی کرو) اور غلام و باندی (ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو)"---

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ وفات کے دن حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ ایک فرشتہ اور تھا، جو ایک لاکھ ایسے فرشتوں کا افسر تھا جن میں ہر ایک فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا افسر تھا۔ اس فرشتہ نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ حضور ﷺ نے جبریل سے اس کے بارے میں پوچھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، یہ موت کا فرشتہ ہے، حاضری کی اجازت چاہتا ہے اور آج سے پہلے نہ تو اس نے کسی سے اجازت طلب کی ہے اور نہ آئندہ اس کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا۔ آپ نے فرمایا، اس کو بلا لو۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے بلایا۔ اس نے حاضر ہو کر سلام کیا اور پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں آپ کی روح کو قبض کروں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا، کیا تو میری مرضی کے مطابق عمل کرے گا۔ موت کے فرشتہ نے عرض کیا، ہاں مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ فرمائیں، میں اسی کے مطابق عمل کروں۔ راوی کا بیان ہے، یہ سن کر حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰى لِقَائِكَ یعنی "اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے" تو حضور ﷺ نے موت کے فرشتہ سے فرمایا کہ جس بات کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل کر۔

بخاری اور مسلم میں ہے، حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب موت کا فرشتہ حاضر ہوا، اس وقت حضور کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر ہوش آیا تو آپ چھت کی طرف دیکھنے لگے۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ عین وصال کے وقت حضور کا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور قریب پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ اس پانی میں ہاتھ ڈالتے اور اپنے چہرے پر پھیر لیتے اور فرماتے تھے، لا الٰہ الا اللّٰہ۔ پھر حضور نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور فرمانے لگے، فی الرفیق الاعلیٰ "اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں کر دے"۔ یا یہ مطلب تھا کہ میں رفیق اعلیٰ میں آنا چاہتا ہوں۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا، اخترت الرفیق الاعلی یعنی "میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کیا" [اشعة اللمعات] یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک گئے اور روحِ قدسی عالم قدس میں پہنچ گئی۔ ﴿اِنَّا للّٰہ و انا الیہ راجعون﴾

وصال کا اثر

سرکار اقدس ﷺ کی وفات حسرت آیات سے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو صدمہ جاں کاہ پہنچا، وہ بیان سے باہر ہے۔ لوگ حضور ﷺ کی محبت میں ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کریں۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت ہو گئی کہ ان پر سکتہ طاری ہو گیا، بولنے کی طاقت نہیں رہ گئی، حالت بے قراری میں ادھر سے ادھر آتے جاتے تھے،

مگر کسی سے کچھ کہتے نہیں تھے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس قدر غم سے نڈھال ہوگئے کہ ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہوا کہ وہ ننگی تلوار لے کر مدینہ شریف کے بازار اور گلیوں میں گھومتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کہے گا کہ حضور کی وفات ہوگئی میں اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال کے وقت اپنے گھر تھے، جب یہ خبر سنی تو روتے ہوئے اور وا محمداہ کے نعرے لگاتے ہوئے مسجد شریف میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ صحابہ کرام حیران و پریشان ہیں، آپ نے کسی سے بات نہیں کی اور نہ کسی کی طرف متوجہ ہوئے، سیدھے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں پہنچے، حضور ﷺ کے مبارک چہرہ سے چادر ہٹائی اور پیشانی انور کو بوسہ دیا، روتے ہوئے باہر نکلے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر یہ خاص فضل ہوا کہ حضور سے انتہائی محبت کے باوجود ان کے ہوش وحواس بجا رہے، آپ مسجد میں تشریف لائے، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا، اے عمر! بیٹھ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نہیں بیٹھیں گے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ فرمایا:

"اے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ ان کا وصال ہوگیا اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ اللہ زندہ ہے، وہ کبھی نہ مرے گا، اس پر کبھی موت نہیں طاری ہوسکتی۔ پھر آپ نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ○ --- [آل عمران:۱۴۴]

"محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول ہو چکے، تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو صلہ عطا فرمائے گا"---

یعنی جو اپنے دین پر ثابت رہیں گے اور نہیں پھریں گے وہ گروہِ شاکرین میں سے ہیں، خدا تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا---

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس آیت کریمہ کے تلاوت فرمانے سے لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوئی اس آیت کریمہ کو جانتا ہی نہ تھا۔ ان سے سن کر اب اسی آیت کریمہ کو ہر شخص پڑھنے لگا۔ مدارج النبوۃ میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے میں نے یہ آیت کریمہ سنی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس سے پہلے میں نے اس آیت کریمہ کو سنا ہی نہ تھا۔ سننے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوگیا۔ اس یقین کے بعد میرے بدن میں لرزہ پیدا ہوا اور میں زمین پر گر پڑا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ گویا ہماری نگاہوں پر پردہ پڑا ہوا تھا، جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے اٹھا دیا۔ ان سے سن کر اب اسی آیت کریمہ کو ہر شخص پڑھنے لگا، جس سے لوگوں کو کچھ سکون حاصل ہوگیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب قرآن مجید کی آیت کریمہ پڑھ کر سنائی تو اگرچہ اس سے لوگوں کو کچھ سکون حاصل ہوگیا لیکن اب اتنا وقت نہیں باقی رہ گیا تھا کہ اسی روز تجہیز و تکفین ہو سکے، اس لیے دوسرے روز سہ شنبہ (منگل) کو یہ کام انجام پایا۔

تجہیز و تکفین

مدارج النبوۃ میں ہے کہ وصیت کے مطابق جب عزیز و اقارب نے حضور ﷺ کو وفات کے بعد غسل دینا چاہا تو آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو غسل نہ دو کہ وہ پاک و صاف ہیں، انہیں غسل کی حاجت نہیں۔ آواز کس نے دی اور کدھر سے آئی؟ لوگوں نے بہت چھان بین کی مگر کچھ پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوا کہ غیب سے آواز آئی ہے تو بعض لوگوں نے چاہا کہ غیبی آواز پر عمل کیا جائے اور غسل نہ دیا جائے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی آواز کے سبب کہ جس کی حقیقت سے ہم واقف نہیں ہیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور کہنے والا کون ہے، ہم اسلام کے طریقہ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے، اللہ کے رسول ﷺ کو ہم غسل ضرور دیں گے۔ اتنے میں پھر دوسری آواز آئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو غسل دیا جائے، پہلی آواز ابلیس کی تھی اور میں خضر ہوں۔

حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کی آواز کے بعد جب لوگوں نے غسل کا ارادہ کیا تو پھر ایک دوسرا اختلاف پیدا ہوا کہ حضور ﷺ کو ان کے پیراہن مبارک میں غسل دیا جائے یا دوسرے لوگوں کی طرح برہنہ کر کے نہلایا جائے؟ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا کہ ایک طرف سے پھر غیبی آواز آئی، اللہ کے رسول کو برہنہ مت کرو، ان کو انہی کے پیراہن مبارک میں غسل دو۔ اب حضرت علی،

حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مل جل کر آپ کو غسل دیا اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ غسل کے بعد حضور ﷺ کی ناف مبارک اور پلکوں پر پانی کے جو قطرے اور تری رہ گئی تھی، جوش عقیدت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی زبان سے چاٹ کر پی لیا۔ آپ فرماتے تھے کہ اس کی برکت سے میرا علم اور قوت حافظہ بہت بڑھ گئی۔

اشعة اللمعات میں ہے کہ غسل کے بعد حضور ﷺ کو تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا گیا، جو یمن کے ایک گاؤں "سحول" کے بنے ہوئے تھے۔

قبر شریف

سرکار اقدس ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے، اس کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا، ایک جماعت نے کہا کہ اسی حجرہ مبارکہ میں دفن کیا جائے جہاں آپ کی وفات ہوئی ہے اور ایک گروہ نے مشورہ دیا کہ مسجد نبوی آپ کا مدفن ہونا چاہیے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے رائے دی کہ جنت البقیع جو مدینہ شریف کا عام قبرستان ہے، اس میں دفن کیا جائے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ بیت المقدس میں آپ کی قبر ہونی چاہیے، اس لیے کہ وہاں سے بہت انبیائے کرام کی قبریں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے کہ ہر نبی وہیں دفن کیا گیا ہے جہاں اس کی وفات ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ روئے زمین پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس جگہ سے بڑھ کر کوئی جگہ عظمت اور بزرگی والی نہیں ہے کہ جہاں اللہ کے رسول کا وصال ہوا ہے۔ اس گفتگو کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں حضور کو دفن کرنے پر متفق ہو گئے اور وہی جگہ قبر شریف کے لیے متعین ہو گئی۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے، حضرت عمر بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں دو آدمی قبر کھودا کرتے تھے، ایک ان میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے جو مدینہ شریف کے رواج کے مطابق لحد میں بغلی قبر کھودا کرتے تھے اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے، جو بغلی نہیں کھودتے تھے بلکہ شق یعنی صندوقی قبر بناتے تھے۔ حضور ﷺ کے وصال پر صحابہ میں اختلاف ہوا کہ کس طرح کی قبر کھودی جائے، تو لوگوں نے آپس میں طے کیا کہ دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے، جو ان میں سے پہلے آئے گا وہ اپنا کام کرے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا کی،

یا الٰہ العالمین! قبر کے بارے میں اپنے پیارے رسول کے لیے وہ صورت اختیار فرما جو تجھے محبوب و پسندیدہ ہو اور قبر کھودنے والوں کے پاس بلانے کے لیے آدمی بھیجے گئے تو پہلے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ آئے جو لحد کھودا کرتے تھے تو انہوں نے سرکار اقدس ﷺ کے لیے بغلی قبر تیار کی۔

نماز جنازہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان، فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے جنازہ اقدس پر نماز کے بارے میں فقہائے کرام کی مختلف رائیں ہیں۔ بہت سے علماء عام لوگوں کی نماز جنازہ کی طرح مانتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر جب تک بیعت نہ ہوئی تھی لوگ فوج در فوج حجرہ مبارکہ میں آتے اور جنازہ اقدس پر نماز پڑھتے جاتے، جب بیعت ہو گئی تو ولی شرع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوئے، انہوں نے جنازہ مبارکہ پر نماز پڑھی، پھر ان کے بعد کسی نے نہیں پڑھی کہ ولی کے پڑھنے کے بعد پھر کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہوتا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح نماز جنازہ عام طور پر ہوتی ہے حضور ﷺ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور صلاۃ وسلام عرض کرتے، جس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ بیہقی اور طبرانی وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میرے غسل و کفن سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ۔ سب سے پہلے جبریل علیہ السلام مجھ پر صلاۃ کریں گے، پھر میکائیل علیہ السلام، پھر اسرافیل علیہ السلام، پھر ملک الموت علیہ السلام اپنے سارے لشکروں کے ساتھ اور پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود و سلام عرض کرتے جاؤ۔

جس حجرہ مبارکہ میں وصال ہوا، غسل و کفن کے بعد آپ کو وہیں رکھا گیا۔ لوگ ہر چہار طرف سے نماز جنازہ کے لیے ٹوٹ پڑے، لیکن چوں کہ حجرہ مبارکہ میں جگہ کم تھی اس لیے تھوڑے تھوڑے کر کے پہلے مرد لوگ حاضر ہوئے، پھر عورتیں اور پھر بچے۔ اس سبب سے بھی دفن میں تاخیر ہوئی، جس کو بعض ناسمجھ دوسری باتوں پر محمول کرتے ہیں۔

بہرحال سب لوگ جب نماز جنازہ یا درود و سلام پڑھ چکے تو حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم نے آپ کے جسم اقدس کو قبر انور میں اتار کر قبلہ رو داہنے پہلو پر لٹایا اور بعض حدیث شریف کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بھی آپ کی قبر مبارک میں اترے تھے۔

رب امتی امتی

مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ کی قبر مبارک سے جو آخر میں نکلے وہ قثم بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے چہرہ انور کی جب آخری زیارت ہم نے کی تو دیکھا کہ آپ کے لب ہائے مبارک ہل رہے ہیں۔ ہم نے اپنا کان قریب کر دیا تو سنا کہ حضور رب امتی امتی فرما رہے ہیں۔

برادران اسلام! قربان جایئے اپنے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ وہ ہمیشہ ہم گناہ گاروں کی فکر میں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امت کے گناہوں کے غم سے حضور کبھی پوری ایک رات بستر پر آرام سے نہیں سوئے اور کبھی ایسا ہوتا کہ رات رات بھر ہم لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتے اور بخشش کے انتظار میں روتے رہتے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اشک شب بھر انتظارِ عفو امت میں بہیں
میں فدا اور چاند یوں اختر شماری واہ وا

ایک شاعر یوں کہتا ہے:

تمہارے ہی لیے تھا اے گنہ گارو ، سیہ کارو!
وہ شب بھر جاگنا اور رات بھر رونا محمد (ﷺ) کا

اگر کالی گھٹا چھا جاتی تو ہمارے مہربان آقا پیارے مصطفیٰ ﷺ بے چین ہو جاتے، کبھی حجرہ مبارکہ میں آتے اور کبھی مسجد میں پہنچ کر امت کی حفاظت کے لیے دعا فرماتے، اگر آندھی آتی تو بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جاتے، دیر تک سر نہ اٹھاتے، عذاب سے مامون رہنے کی خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے اور اس قدر روتے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ غرض کہ ہمیشہ ہماری فکر میں رہے، کبھی ہم کو فراموش نہیں فرمایا۔ جنگل و بیابان میں یاد فرمایا، پہاڑ کی گھاٹیوں میں یاد فرمایا، یہاں تک کہ قبر انور میں لٹائے گئے تو وہاں بھی یاد فرمایا۔

اے خدائے ذوالجلال! ہم گناہ گاروں کی طرف سے ہمارے مہربان آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور فرما اور قیامت کے دن ہم سب کو ان کی شفاعت نصیب فرما کر جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما اور جنت الفردوس میں

بہترین جگہ عنایت فرما۔

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ رسول خدا ﷺ کا وصال دوشنبہ مبارکہ کو ہوا اور سہ شنبہ یعنی منگل کا دن گزر کر رات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب سرکار اقدس ﷺ کو دفن کر دیا گیا، اس کے بعد صحابہ کرام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بطور تعزیت آئے تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

انس اور اے صحابہ! تم کو یہ کیسے گوارا ہوا کہ تم نے اللہ کے رسول پر مٹی ڈال دی؟

صحابہ نے کہا، اے فاطمہ! ہم بھی یہی سوچتے تھے کہ حضور ﷺ پر کیسے مٹی ڈالیں، لیکن اللہ کے فیصلہ اور شریعت کے حکم سے کوئی چارہ کار نہیں، اس لیے مجبوراً ہم کو ایسا کرنا پڑا۔ پھر حضور کی جدائی میں سب لوگ زار و قطار روئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم

برادران ملت! رسول خدا ﷺ کی وفات کا اثر یوں تو ہر مسلمان پر بہت ہوا کہ ایسا مصیبت کا دن انہوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ حدیث شریف میں ہے، صحابہ فرماتے ہیں کہ جس دن حضور ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، اس سے اچھا اور پر مسرت دن ہم نے مدینہ شریف میں کبھی نہیں دیکھا، کہ اس شہر مبارک کی ہر چیز روشن اور تابناک ہو گئی اور جس دن حضور ﷺ کی وفات ہوئی، اس دن سے زیادہ الم ناک دن ہم نے مدینہ طیبہ میں کبھی نہیں دیکھا، کہ سب چیزوں پر تاریکی چھا گئی۔ ہر گھر سے رونے اور گریہ زاری کرنے کی آواز آتی تھی، پورا مدینہ شریف ماتم کدہ بنا ہوا تھا، لیکن حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا کہ ان کا حجرہ مبارکہ جس میں حضور ﷺ کا وصال ہوا تھا، دفن کے بعد وہ بیت الحزن والفراق ہو گیا تھا کہ شب و روز حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھی رویا کرتی تھیں اور خاص کر حضور کی لخت جگر نور نظر حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو بے انتہا غم ہوا کہ وہ رات بھر اور دن بھر حضور کی جدائی میں آنسو بہایا کرتیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور کے وصال فرمانے کے بعد کبھی کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ دفن کے بعد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آپ کے سرہانے حاضر ہوئیں، مزار مبارک سے تھوڑی مٹی اٹھا کر اشک آلود اور آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں پر رکھا اور فرمایا:

مَـاذَا عَـلٰـــی مَنْ شَمَّ تُـرْبَـةَ أَحْـمَـدَ
أَنْ لَا یَشُـمَّ مَـدَی الـزَّمَـان غَـوَالِیَـا

”کیا حرج ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی قبر مبارک کو سونگھ لے تو وہ کبھی کسی بیش قیمت خوشبو کو نہ سونگھے“، (مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی تربت انور سے ایسی خوشبو آ رہی ہے کہ جو شخص اسے سونگھ لے تو پھر کسی دوسری خوشبو کو سونگھنے کی اسے حاجت نہیں)---

اور فرمایا:

صُـبَّـتْ عَـلَـیَّ مَـصَـائِبُ لَوْ أَنَّـــهَـا
صُـبَّـتْ عَـلَـی الْأَیَّـــامِ صِرْنَ لَـیَـالِـیَـا

”مجھ پر ایسی مصیبتیں آ گئیں کہ اگر یہ مصیبتیں روز روشن پر آ جائیں تو وہ مارے غم کے رات بن جائیں“---

انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اب زندہ نہیں بلکہ مر کر مٹی میں مل گئے۔ جیسا کہ وہابیوں، دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان، صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے۔ مگر یہ عقیدہ مذہب حق اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور باطل ہے۔

حدیث شریف کی معتمد اور مشہور کتاب مشکوۃ شریف، صفحہ ۱۲۱ پر ہے:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فنبیُّ اللّٰه حیٌّ یُرْزَقُ---

یعنی سرکار اقدس ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ عز و جل نے زمین پر انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام فرما دیا ہے، لہٰذا اللہ کے نبی زندہ ہیں، رزق دیے جاتے ہیں“---

اشعة اللمعات، جلد اوّل، صفحہ ۵۷۶ پر اس حدیث شریف کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

پیغمبر خدا زندہ است بہ حقیقت حیات دنیاوی---

”خدا تعالیٰ کے نبی دنیاوی زندگی کی حقیقت کے ساتھ زندہ ہیں“---

[حیات النبی پر تفصیلی مضمون آئندہ شمارہ میں]

سارے جہاں کا درد

مفتی محمد سعید خان، مدیر الندوہ

ایک شخص کو شوق ہے کہ ذات و صفات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور وہ اس راہ کا سفر شروع کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ کے اقرار سے اس سفر معرفت کا آغاز ہوتا ہے، اتباعِ سنت اس کی راہ ہے، صحیح عقیدے اور صحیح علم کے بعد عمل کے میدان میں اترتا ہے اور حصولِ اخلاص کے لیے ذکر الٰہی کی کثرت میں کھو جاتا ہے۔ حکم ہے کہ:

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا---

[پارہ: ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت: ۴۱]

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور کثرت سے یاد کرو“---

صرف یاد (ذکر) مطلوب نہیں بلکہ مطلوب بہت زیادہ یاد (ذکر کثیر) ہے، کسی کی رہنمائی میں ان مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ زندان نفس کے روزن سے اخلاص کی کرن نمودار ہوتی ہے۔ سویرا ہوتا ہے اور اس سفر معرفت و اخلاص کے آغاز میں ہر وہ چیز جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہو رہی ہو، اس کی نفی کرتا ہے۔ مال و زر، عزت و جاہ اور مخلوق کا وجود، ان تمام کو اپنے اور

اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات تصور کرتا ہے اور پوری شدت سے ان کی نفی کرتا ہے۔ لا اِلٰہ کی تیغ ان تمام حجابات پر چلا کر اِلَّا اللّٰہ کے اثبات سے واصل باللہ ہونا چاہتا ہے اور یہ ابتداء کا وہ مقام ہے جہاں بسا اوقات دونوں جہاں سے بے زار ہو جاتا ہے:

دونوں جہاں دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم ، کہ تکرار کیا کریں

ہر آن، ہر لمحہ مخلوق سے قطع تعلق اور عزلت و تنہائی کی تلاش۔

پھر کوئی خضرِ راہ اسے اس ادنیٰ مقام سے نکالتا ہے اور یہ سبق دیتا ہے کہ مخلوق کی نفی نہیں بلکہ مخلوق سے محبت کی نفی مطلوب ہے۔ لوگوں سے تنہائی اور بے زاری مناسب نہیں، بلکہ لوگوں کے درمیان رہ کر ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا، یہ مردانگی ہے۔ کسی بھی چیز یا شخص سے ایسی محبت نہ ہو جائے کہ جب اس شخص یا چیز کی محبت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹکرانے لگے تو پھر وہ محبت غالب آ جائے، بلکہ اس کے برعکس ہونا چاہیے۔ کسی بھی حال اور کسی بھی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع پر، مخلوق کی محبت غالب نہیں آنی چاہیے۔ اور جب نفس اس اتباع کا اتنا عادی ہو جائے کہ بلا مزاحمت یہ دولتِ اتباع میسر ہونے لگے، تو پھر یہ شخص حقیقی مومن بھی ہے اور صوفی بھی۔ موحد بھی ہے اور مخلص بھی۔ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ و علیٰ نبینا الصلاۃ و السلام اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے آباء اور اولاد سے محبت بھی تھی اور اپنے دیار کی الفت بھی، مگر جب یہ رشتے اور محبتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹکرانے لگیں تو پھر وہ ان رشتوں اور محبتوں سے بیزار ہو گئے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ---[الممتحنہ، آیت:۴]

"تم لوگوں کے لیے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، (ان کی روش) ایک بہترین نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: "ہمارا تم سے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن (بتوں) کی تم عبادت کرتے ہو، ان سے (محبت کا) کوئی تعلق نہیں ہے" ہم تمہارے (کفریہ عقائد) سے انکار کرتے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دشمنی اور نفرت شروع ہو گئی ہے،

جب تک کہ تم صرف اور صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ"---

تو اصل حکم یہ ہے کہ مخلوق کے درمیان رہے، لیکن مخلوق کی محبت اور اپنے مفادات کو ہمیشہ شریعت کے تابع رکھے۔ معرفتِ الٰہیہ کے اس سفر میں جو پہلا مرحلہ خلوت پسندی اور مخلوق سے انقطاع کا پیش آیا تھا، آہستہ آہستہ اس سے چھٹکارا ملتا ہے اور پھر دوسرا اور آخری مرحلہ آتا ہے اور وہ ہے "خلوت در انجمن"، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کی ترجمانی کی:

شمع محفل کی طرح ، سب سے جدا ، سب کا رفیق

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا طریقہ کار یہی ہے کہ مخلوق کی ایذاء پر صبر کرے۔ لوگوں کے درمیان رہ کر بھی حق تعالیٰ شانہ سے رابطہ نہ ٹوٹے۔ ہر پریشانی کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر سر تسلیم خم کر دے اور بغیر کسی ادنیٰ اظہار کے، تصورات کو اپنی زبان بنا کر ہر ہر لمحہ مالک حقیقی کی بارگاہ میں یہ عرض کرتا رہے کہ:

آدمی میں کچھ نہیں ، آپ نے سمو دیا
عالم خیال کو ، عالم غبار میں
ابتدائے زندگی ، انتہائے زندگی
آپ کے خیال سے ، آپ کے خیال میں [ا]

ا......فانی نے اصل میں اس مصرع کو یوں کہا ہے؛

عالم غبار کو ، عالم خیال میں

اس میں یہ معمولی سا تغیر عرض مدعا کے لیے کیا گیا ہے۔ کائنات کی اصل صرف ارادۂ خداوندی ہے، کل عالم مرکبات سے بنا ہے، پھر مرکبات کا تجزیہ کیجیے تو مفردات ہیں، پھر مفرادت کی بھی اصل مادہ ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ مادے کی تخلیق از خود نہیں ہو گئی اور نہ ہی وہ قدیم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے پیدا کیا ہے۔ مادے کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت و تخلیق کی مرہون منت ہے اور صفتِ قدرت کا گہرا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت مشیت یعنی اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہے، تو کل کائنات کا وجود صرف اللہ تعالیٰ کے چاہنے (مشیت) کی وجہ سے ہے۔ اور یہ "چاہنا" اس کا کوئی حسّی وجود نہیں ہے کیوں کہ یہ صفتِ باری تعالیٰ ہے اور مٹی کا جو غبار اٹھتا ہے اس کا اپنا ظاہری اور حسّی وجود تو ہوتا ہے اس لیے فانؔی نے اپنے مصرع میں یہ فرمایا کہ یہ "عالم غبار" کبھی فنا ہو کر عالم خیال میں منتقل ہو جائے گا اور اس میں معمولی سے تصرف سے یہ بات بجائے مستقبل کے ماضی سے متعلق کر دی گئی کہ یہ کل کائنات محض ارادے اور خیال میں تھی، پھر آپ (اللہ جل جلالہ) نے اسے عالم وجود یعنی عالم غبار کی صورت میں جلوہ گر کر دیا۔

یہ زندگی کی حقیقی مسرت ہے کہ مخلوق میں رہ کر ان کے حقوق کی ادائیگی کے باوجود، ذکر و مراقبات میں کوئی فرق نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ---

[پارہ:۱۸، سورہ النور، آیت:۳۷]

وہ ”مرد“ ہیں جنہیں کوئی بھی تجارت یا خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اس دن (کی پیشی) سے ڈرتے رہتے ہیں، جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گی“---

معرفتِ الٰہیہ میں جب یہ مقام آتا ہے تو پھر صوفی مخلوق خدا سے نہیں گھبراتا، پھر وہ ویرانوں کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہوتا، خلوت و جلوت سب یکساں، ذاتِ باری تعالیٰ براہ راست مطلوب اور اس کا، کل جہاں بالواسطہ مقصود ہوتا ہے۔ حافظ شمس الدین شیرازی (جو حافظ شیرازی کے نام سے مشہور ہیں) اسی مقام کے متعلق فرماتے ہیں:

مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود
رخ تو در نظر من چنیں خوش آراست

”میری توجہ دنیا کے کاموں کی طرف ہرگز نہیں ہے، میں تو ہر کام میں تیری ذات کی قدرت کو دیکھتا ہوں کہ کس حسین انداز سے جلوہ گر ہے“---

سارے جہاں کا درد

فرد کامل کے لیے ہر چیز آئینہ بن جاتی ہے۔ جنت اس کے لیے جمال الٰہی کا مظہر ہے تو جہنم جلال کا، پھول اس کے لیے جمال یار کا پیغام لاتا ہے تو کانٹا قہر سجن کا، یہ فرد اتنا فنا ہو جاتا ہے کہ کل جہان کا دکھ اپنے سینے میں محسوس کرتا ہے، کیوں کہ اس کے لیے کل مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کا کنبہ ہوتی ہے اور جہاں مالک سے محبت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے اس کے کنبے سے بھی ہمدردی ہوتی ہے اور اس ہمدردی میں کہیں کسی کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی جان پر بن جاتی ہے کہ یہ مصیبت زدہ، ہے تو اپنے محبوب و مالک ہی کے کنبے کا فرد:

خنجر چلے کسی پہ، تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس لیے ایسے فرد کامل، ایسے صوفی کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی، دھوپ پر کوئی اور کھڑا ہو تو تپش اسے محسوس ہوتی ہے، پتھر کسی اور کو پڑے، چوٹ یہ محسوس کرتا ہے، بیمار کوئی ہو تو درد اس کے جسم میں ہوتا ہے، جنازہ کسی اور کا اور آنسو اس کے، گناہ غیر کا اور معافی یہ مانگتا ہے:

یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ○ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ ○---

[پارہ:۱۲، سورہ ھود، آیت:۷۴، ۷۵]

”پھر وہ (حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام) ہم سے لوط عَلَیْہِ السَّلَام کی قوم کے بارے میں جھگڑنے لگے (کہ اللہ انہیں معاف فرما دیں اور انہیں عذاب نہ دیں) بلاشبہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام بہت متحمل مزاج، (ایسا نرم دل کہ ہماری یاد میں) بہت آہیں بھرنے والا، اور ہر وقت ہم سے لو لگائے ہوئے تھا“---

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

انہی میں سے ایک فرد کامل، وہ جاں سوختہ اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھا۔ ان کا اصل نام اُویس بن عامر تھا، یمن کے قبیلے ”قرن“ کی ایک شاخ ”مراد“ میں پیدا ہوئے، اس لیے ان کا نام اُویس قرنی یا اُویس مرادی لکھا جاتا ہے۔ یمن ہی کے رہنے والے تھے، اس لیے یمنی بھی کہلائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ”یمانی مرادی“ لکھا ہے۔ بعد ازاں کوفہ تشریف لے آئے اور پھر وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نہ تو کبھی یمن تشریف لے گئے اور نہ ہی آپ کی حیات طیبہ میں حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، لیکن منجانب اللہ آپ کو ان کے بارے میں معلوم تھا اور آپ نے ان کی تعریف میں بہت بلند کلمات بھی ارشاد فرمائے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

خَیْرُ التَّابِعِیْنَ اُوَیْسُ الْقَرَنِیُّ---[لسان المیزان، جلد۲، صفحہ۲۳۱]

”اُویس قرنی (رحمۃ اللہ علیہ) بہت اچھے تابعی ہیں“---

پھر ایک مرتبہ ارشاد ہوا:

اِنَّ خَیْرَ التَّابِعِیْنَ رَجُلٌ یُّقَالُ لَہٗ اُوَیْسُ بْنُ عَامِرٍ وَ کَانَ بِہٖ بَیَاضٌ، فَدَعَا اللّٰہَ فَاَذْھَبَہٗ عَنْہُ اِلَّا مَوْضِعَ الدِّرْھَمِ فِیْ سُرَّتِہٖ---

[لسان المیزان، جلد۲، صفحہ۲۲۸]

”سب سے اچھے تابعی اُویس بن عامر ہیں، انہیں برص (پھلبہری) ہوگیا تھا،

پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس مرض کے خاتمے کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم سے تمام داغ ختم کر دیے، صرف ایک نشان، ناف پر باقی ہے اور اتنا سا ہے جیسے کسی انسان کی ہتھیلی کی گہرائی ہوتی ہے“---

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب کرامت اولیاء اللہ میں سے تھے اور ایسے مستجاب الدعوات تھے کہ بغیر کسی علاج کے محض دعا سے ان کا مرض جاتا رہا۔ مرض دوا سے جائے یا دعا سے؛ دونوں میں حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ وہ چاہے تو دوا سے شفاء دے اور نام طبیب، حکیم اور ڈاکٹر کا مشہور ہو جائے اور چاہے تو دعا سے شفاء دے اور لوگ اسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ یا ولی کی کرامت جانیں، مریض، دوا میں اثر اور دعا کا قبول کرنا، سبھی میں اس کا حکم چلتا ہے، کل رعایا بھی اس کی اور فقط اکیلا وہی شہنشاہ۔

لہ الملک و لہ الحمد

حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جب کوفہ میں تھے تو ایک شخص--- جو کہ خود بھی قرنی تھا--- ہمیشہ ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور انہیں حقیر سمجھ کر درپئے آزار ہوتا تھا۔ ہر شخص کے اخلاق کا معیار یکساں نہیں ہوتا، اخلاقیات کے اعلیٰ مقام پر فائز، ہمیشہ نظریات پر بحث کرتے ہیں، تنقید و تعریف کی کسوٹی پر، پرکھتے ہیں اور کم مایہ لوگ ذاتیات میں الجھے رہتے ہیں۔ دماغ کے اعتبار سے بونے لوگ اس سے زیادہ کچھ نہیں سوچ سکتے کہ ہم اپنے سے زیادہ بڑے آدمی پر کیسے کیچڑ اچھالیں؟ ہم خود تو اس قد آور شخصیت کی بلندی تک پہنچ نہیں سکتے، کیوں نہ اس کے پاؤں کاٹ دیں، تاکہ یہ ہم سے چھوٹا ہو جائے، لیکن وقت اور صبر، دونوں مل کر ان بونوں کو مزید بونا کر دیتے ہیں اور بلند کردار، بلند تر ہو جاتا ہے۔ کوفہ کا یہ شخص حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اس لیے بھی اڑاتا تھا کہ اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کے درمیان ہی رہتے تھے اور بصیرت کے نابینا لوگ کسی ہم عصر کی عظمت کا مشاہدہ اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ شخصیت یا تو ہجرت نہ کر جائے اور یا یہ کہ اس پر صدیاں نہ گزر جائیں۔ فاصلے کی دوری اور زمانے کا بُعد اندھوں کو یہ بتاتا ہے کہ جو شخص تمہارے درمیان رہ رہا تھا، وہ اپنے کردار کی عظمت اور فکر کی بلندی کی وجہ سے تم سے کوسوں بلند تھا۔

پھر مذاق اڑانے والا وہ قرنی شخص ایک وفد میں شامل ہو کر دارالخلافہ مدینہ طیبہ میں امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس وفد سے دریافت فرمایا کہ آپ میں سے کوئی قبیلہ قرن سے تعلق رکھتا ہے؟ اس شخص نے اقرار کیا، تو آپ نے فرمایا، حضرت رسالت مآب ﷺ

نے فرمایا تھا:[ا]

”آپ لوگوں کے پاس یمن سے ایک صاحب آئیں گے، ان کا نام اُویس ہوگا، وہ اب (میری زندگی میں) یمن کو اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت اور بڑھاپے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، انہیں برص ہو گیا تھا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے محض ان کی دعا کی وجہ سے انہیں ٹھیک کر دیا اور ان کے جسم پر ہتھیلی کی گہرائی کے برابر سفید نشان باقی رہ گیا ہے، آپ میں سے جس شخص کی بھی ان سے ملاقات ہو تو وہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے ان سے دعا کی درخواست کرے“---

اب اس شخص کو سبق ملا کہ جس کا وہ مذاق اڑاتا تھا، وہ بارگاہ الٰہی میں اتنا مقرب تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی زبان سے ممدوح ٹھہرا۔

اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کیوں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر نہ ہو سکے؟ یہی نا کہ والدہ کی خدمت میں مصروف تھے، یہ بجا سہی لیکن اُویس رحمۃ اللہ علیہ اگر اس شرف کو جانتے کہ حضرت رسالت مآب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کتنی مبارک اور صحابیت، کتنا بلند مقام ہے تو ہزار ماؤں کو قربان کر کے حاضر ہوتے، جہنم کی آگ اس شخص پر حرام اور جنت میں جانا اس شخص کے لیے ضروری ہے، جس نے بھی صحابیت کا رتبہ پایا۔ کائنات میں کسی نیکی کرنے والے شخص سے ایسی کوئی نیکی نہیں ہو سکتی جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی صحبت اور ان کی ایک نگاہ کے ہم وزن ہو:

قربان یک نگاہے تو عمر دراز ما

اس لیے حضرت خواجہ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

و لو علم أُویس فضیلة الصحبة بهذه الخاصیة لم یمنعه مانع من

ا......عن أسير بن جابر، أن أهل الكوفة وفدوا على عمر، فيهم رجل ممن كان يسخر بأويس، فقال عمر: هاهنا أحد من القرنيين؟ فجاء ذلك رجل فقال عمر: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن رجلا يأتيكم من اليمن يقال له: أُويس، لا يدع باليمن غير أمّ له، و قد كان به بياض، فدعا الله فأذهبه عنه إلا موضع الدرهم، فمن لقيه منكم فمروه فليستغفر لكم ---

[لسان المیزان، من اسمہ اوس واویس، جلد۲، صفحہ ۲۲۸]

الصحبة و ما اٰثّر شیئا من الاشیاء علی هذه الفضیلة---

[مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ، درالمعرفت، مکتوب نمبر ۱۲۰، جلد ۱، صفحہ ۱۲۳]

"اگر اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رسالت مآب ﷺ کی صحبت کی فضیلت جان لیتے کہ اُس میں کیا خاص بات (کہ ایمان بجائے دلائل سے ثابت ہونے کے، وحی کی کیفیت، فرشتوں کی آمد اور معجزات دیکھنے کی وجہ سے مشاہدے سے ثابت ہوجاتا) ہے، تو پھر کوئی کام ایسا نہ ہوتا، جو انہیں صحبت نبوی علیہ السلام سے روک دیتا اور وہ کسی چیز کو بھی اس حاضری سے زیادہ ضروری تصور نہ فرماتے"---

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اشتیاق ملاقات

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چوں کہ ان کے متعلق ارشادت نبوی سن رکھے تھے، اس لیے ان سے ملنے کا شوق اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کی طلب تھی۔ اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ حج کے موقع پر منیٰ میں منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اہل قرن کا دریافت فرمایا۔ قرن قبیلے کے کچھ حضرات کھڑے ہوگئے تو پھر دریافت فرمایا، آپ میں سے کسی کا نام اُویس ہے؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس نام کا تو ایک دیوانہ ہے، بیابان وصحرا میں رہتا ہے۔ فرمایا، جی ہاں، جی ہاں وہی تو مطلوب ہے۔ جب آپ واپس جا کر ان سے ملیں تو انہیں بلا کر میرا سلام کہیے۔[۱]

جب یہ واپس آئے تو اُویس رحمۃ اللہ علیہ آبادی سے دور، صحرا میں تھے۔ انہوں نے دو سلاموں سے انہیں عزت بخشی، ایک سلام تو وہ جو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھجوایا تھا اور دوسرا سلام وہ جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی طرف سے تھا۔ غالباً یہ دوسرا سلام ان حضرات کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے بتایا ہوگا اور اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہوگا کہ بارگاہ رسالت کا سلام اُویس کو بھجوایا جائے۔

۱...... عن سعید بن المسیب قال : نادی عمر بمنی علی المنبر : یا أهل قرن، فقام مشایخ، فقال : أفیکم من اسمه أویس ؟ فقال شیخ : یا أمیر المومنین ذاك مجنون، یسکن القفار و الرمال، قال : ذاك الذی أعنیه، إذا عدتم فاطلبوه و بلغوه سلامي، فعادوا إلی قرن، فوجدوه فی الرمال، فأبلغوه سلام عمر، و سلامَ رسولِ الله ﷺ، فقال : عرَّفني أمیرُ المومنین، و شهر اسمي---
[لسان المیزان، من اسمه اوس واویس، جلد ۲، صفحہ ۲۳۰]

یہ دونوں سلام پہنچنے پر اُویس رحمۃ اللہ علیہ نے افسوس کا اظہار فرمایا، افسوس اس لیے کہ شہرت ہوگئی۔ پہلے لوگ اُویس کو دیوانہ جانتے تھے اور پوچھتے نہیں تھے، اب بزرگ جانیں گے اور اظہار عقیدت کریں گے۔

دانا آدمی شہرت کو بہت بڑی آزمائش اور امتحان جانتا ہے اور عوام کے اظہار عقیدت کے متعلق اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت کارتن[۱] سے زیادہ کچھ نہیں۔ جن کے ہونٹ آج ان ہاتھوں کو مقدس جان کر چوم رہے ہیں، کل کو انہی ہونٹوں والوں کے ہاتھ جوتا اٹھالیں گے اور ہاتھوں کو چومنے کی بجائے اس ہستی کے سر کو زیر کرنے کی کوشش کریں گے۔ اُویس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، افسوس ہے کہ میرے نام کی ایسی شہرت ہوئی اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ہاں میں پہچانا گیا۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری ہوئی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی عزت افزائی فرمائی بلکہ انہیں یہ خوش خبری بھی دی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے آپ کے متعلق ہمیں یہ بتایا تھا کہ آپ کو برص کی بیماری تھی، پھر آپ نے تن درستی پائی اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کے بے حد فرماں بردار ہیں، آپ اگر کسی کام پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس قسم کی عزت رکھ لیتا ہے، اور مجھ سے فرمایا تھا کہ عمر اگر ہوسکے تو اپنی خطاؤں کی بخشش کے لیے ان سے دعا کروالینا۔ تو آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عمر کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ چناں چہ حضرت اُویس رحمۃ اللہ علیہ نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی:[۲]

لوگوں کی ایذاء پر صبر، شہرت سے گریز، اپنی فنائیت اور تواضع ایسے اوصاف تھے جن پر ہزار بزرگیاں قربان کی جاسکتی تھیں۔ یہ صفات اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں کیسے اس مقام سے نہ نوازتا کہ وہ جس کی خطاؤں سے درگزر کی درخواست کریں،

۱...... انسان کے گھر کو مکان، شیر کے گھر کو کچھار، چوہے کے گھر کو بل، سانپ کے گھر کو بمبی اور مکڑی کے گھر کو کارتن یا مکڑی خانہ کہتے ہیں۔ یہاں پر مراد عوام کی بہت کمزور عقیدت ہے۔

۲......عن اُسیر بن جابر فذکر اجتماع عمر رضی اللہ عنہ بأویس و فیه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول یأتی علیکم أویس القرنی مع أمداد من الیمن کأن به برص فبرأ منه إلا موضع درهم، له والدة هو بها بارٌ لو أقسم علی الله لأبرَّه فإن استطعتَ أن یستغفر لك فافعل فاستغفِرْ لی فاستغْفَرَ له---[لسان المیزان، من اسمه اوس واویس، جلد ۲، صفحہ ۲۲۹]

ان کی اس درخواست کو شرف قبولیت نہ بخشا جائے! حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ قیامت میں اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا اور ان کی وجہ سے جو لوگ جہنم سے آزاد کر دیے جائیں گے اور جن کو جنت میں داخلے کا پروانہ ملے گا ان کی تعداد، عربوں کے دو بڑے قبائل ربیعہ اور مضر کے افراد کی تعداد سے زیادہ ہو گی۔

اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ شہرت کے مواقع سے اتنا دور رہتے تھے اور اتنے مٹے ہوئے تھے کہ اگر یہ حدیث کی چند ایک روایات نہ ہوتیں تو دنیا جانتی بھی نہ کہ اس نام کا کوئی شخص ''قرن'' میں بھی آیا تھا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہوتا اور یا پھر قیامت میں گنہگاروں کو علم ہوتا کہ ان کا محسن اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و لو لا الحدیث الذی رواہ مسلم و نحوہ فی فضل أویس لما عُرف لأنہ عبدٌ للہِ تقی خفی ---[لسان المیزان، من اسمہ اوس و اویس، جلد۲، صفحہ۲۲۷]

اگر وہ حدیث جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی یا ان جیسی دیگر روایات نہ ہوتیں تو حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت کا بالکل پتہ نہ چلتا کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے تھے جو بہت متقی اور اپنے کو بہت پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔

اتنی بڑی ہستی اور اس کے غیر معروف ہونے کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سرے سے ان کے ہونے کا ہی انکار فرماتے ہیں کہ اس نام کا کوئی شخص پہچانا ہوا، ہے ہی نہیں۔

عوام الناس ان علماء و مشائخ کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کا معاشرے میں اور آج کل کے دور میں، میڈیا پر سکہ چلتا ہے اور کبھی یہ نہیں جانتے کہ بسا اوقات ہیرا سمندر کی تہ میں اور موتی ویرانوں میں ہوتے ہیں۔

خدمت خلق

من جملہ اور کمالات کے حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے یہ کمال دیا تھا کہ ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز ''خدمت خلق'' تھا، وہ تصوف کی اس روح سے آشنا تھے۔ اللہ تعالیٰ کے کنبے کے خدمت گزار تھے اور مخلوق کہیں بھی دقت و تکلیف میں مبتلا ہوتی، درد، اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں اٹھتا، اپنا کھانا بھوکوں کو کھلاتے رہے اور اپنے کپڑے غریبوں کو پہناتے رہے۔

اسلام جس طرح کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے، اس میں فرد کی ضروریات زندگی اور فرد کے

بنیادی حقوق کی ذمہ دار خلافت ہوتی ہے۔ خلافت یا حکومت کی تمام تر جدوجہد کے باوجود اگر معاشرتی اور طبقاتی نظام میں کچھ خلا باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے افراد چاہتا ہے جو انسانوں کے بنیادی مسائل کو حل کریں، ایسے ہاتھ جو انسانیت کی خدمت کریں وہ ارتکازِ زر کی بجائے، انفاق کریں، ایسی نگاہیں جو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سوسائٹی کے ضرورت مند افراد کو تلاش کریں اور ان کی زندگی کو آسان بنائیں۔ خدمت خلق میں اپنی صلاحیتیں اور اپنے مال کو کھپائیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہنسی خوشی زندگی بسر کرے۔ اس کا ایمان اللہ تعالیٰ پر بڑھے اور معاشی خوش حالی سے اس کی عبادت میں بھی اطمینان اور عمق پیدا ہو۔ غنا اور فقر دونوں میں درجۂ اعتدال ضروری ہے اور دونوں کی انتہاء کے ڈانڈے کفر سے جا ملتے ہیں، اسی لیے جمع الجوامع، قسم الاقوال میں علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعا نقل کی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ عَمَلٍ یُخْزِیْنِيْ، وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ صَاحِبٍ یُؤْذِیْنِيْ، وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ اَمَلٍ یُلْھِیْنِيْ، وَ أَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ فَقْرٍ یُنْسِیْنِيْ، وَ أَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ غِنیً یُطْغِیْنِيْ ---[الحزب الاعظم، ورد الأربعاء]

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس عمل سے، جس کا انجام رسوائی ہو، ہر اس دوست سے جو مجھے ایذاء دے، ہر اس امید سے جو مجھے غافل کر دے، اُس فقر و فاقہ سے جو تیری یاد بھلا دے اور ایسے مال سے جو تیرا باغی بنا دے''---

حقیقی صوفی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی جان، نفس اور مال پر نافذ کرے اور اس کے سینے میں انسانیت کے لیے درد ہو۔ خالق کی بندگی اسے مخلوق کے حقوق سے غافل نہ کرے اور مخلوق کی محبت اطاعت الٰہی میں رکاوٹ نہ ڈالے۔

حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی حال اور کمال تھا، وہ عبادت میں اتنے تاک تھے کہ جب شام ہوتی تھی تو اپنے نفس سے کہتے تھے، آج کی رات تو رکوع کے لیے ہے اور پھر نماز پڑھتے اور بہت طویل رکوع کرتے اور کبھی شام کو اپنے نفس سے کہتے آج کی رات تو سجدے کے لیے ہے اور پھر تمام رات سجدوں میں گزر جاتی۔

مخلوق پر ایسی شفقت کہ شام کو گھر کا جائزہ لیتے اور کپڑے اور کھانا جو ضرورت سے زائد ہوتا، سب غرباء کے حوالے کر دیتے، تا کہ خلق خدا میں کوئی بھوکا نہ رہے اور شاید کہ کوئی تن ڈھانپا جائے۔

اپنی استطاعت کی حد تک یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی شرمندہ ہوتے اور بہت عاجزی سے عرض کرتے:

اللّٰھم، من مات جوعا فلا تؤاخذنی بہ، و من مات عریانا فلا تؤاخذني به---[روح القدس لابن العربی، صفحہ ۲۵۴]

"اے اللہ! دنیا میں کوئی شخص اگر بھوک سے مرجائے تو میری گرفت نہ فرما اور اللہ! اگر کوئی بغیر کپڑوں کے سردی سے مرجائے مجھے نہ پکڑ"---

مومن ایسے ہی حساس دل کا مالک ہوتا ہے۔ اس ٹکے، پیسے اور روپے کا کیا فائدہ جو دنیا میں انسانوں کے کام آئے اور نہ ہی اس سے آخرت سنورے:

گر اچھی کرنی ، نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ کی کھاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم ، جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
کچھ بات نہیں بن آنے کی ، گھبراؤ گے ، پچھتاؤ گے
تن سوکھا ، کبڑی پیٹھ ہوئی ، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باجے گا ، چلنے کی فکر کرو بابا

[کلیات نظیر اکبر آبادی، عنوان پیری کی سواری اور سفر آخرت کی تیاری، صفحہ ۴۹۷]

حضرت جانشین فقیہ اعظم صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری زید مجدہ
کی عظیم تصنیف، جسے اہل علم نے بھرپور خراج تحسین پیش کیا
باب مدینۃ العلم
مرتضٰی مشکل کشا مولیٰ علی
---نیا اضافہ شدہ ایڈیشن شائع ہوگیا ہے---
کتابت، طباعت، کاغذ، جلد عمدہ، ضخامت: 464 صفحات، ہدیہ: 280 روپے

اولیاء اللہ" اور "خوف و حزن

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

"اولیاء اللہ" یعنی اللہ کے دوست، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ یہ اپنے خدا سے خوش اور خدا ان سے راضی ہوتا ہے۔ یہ اپنے مالک و مولا کی بات مانتے ہیں اور وہ ان کی درخواست نہیں ٹالتا۔ یہ احکم الحاکمین کے سامنے جھکنے والے ہیں اور خالق کائنات اپنی مخلوق کا دل ان کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ یہی وہ مقدس گروہ ہے جسے اولیاء اللہ کی جماعت کہا جاتا ہے۔ یہ خالق کے برگزیدہ اشخاص اور مخلوق کے پسندیدہ افراد ہوتے ہیں۔ عقیدت و ارادت میں لوگ ان سے بہت سی باتیں منسوب کرتے ہیں اور عام لوگوں کی نظر میں ولی وہ ہوتا ہے جو دریا میں مصلی بچھا کر اس سے کشتی کا کام لے اور دریا پار کر جائے۔ بعض لوگ ولی اسے سمجھتے ہیں جو ہواؤں میں اڑتا نظر آئے۔ عقیدت کیش ہر اس شخص کو ولی مانتے ہیں جس کی جھاڑ پھونک سے بیمار ٹھیک ہوں، جس کے اشارے سے بگڑے ہوئے کام بن جائیں، جو پل بھر میں دنیا کی خبریں بتائے اور قسمت کا حال بتائے۔ یہ علامتیں اور باتیں کیوں مشہور ہوئیں؟ کس سے منقول ہوئیں؟ اور کن کتابوں کے ذریعے مقبول ہوئیں؟ اللہ بہتر جانتا ہے، تاہم مقام ولایت برحق ہے اور اولیاء اللہ کا وجود ایک حقیقت ہے۔

نبوت خالصتاً اللہ کا انتخاب ہے، اس میں کسی چلے، مجاہدے، مکاشفے، ریاضت اور محنت کا دخل نہیں، جب کہ ولایت ایک..........اکتساب.......... ہے۔ بندہ جس قدر محنت کر لے اس کا پھل پالے۔ منصب رسالت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کے لیے کسے منتخب کرے''---[الانعام:۱۲۴]

مگر ولایت ایک جہد مسلسل ہے، ''جتنا گڑ، اتنا میٹھا''، طریق نبوت کی تقلید ہی ولایت کی سند ہے۔ ہماری زندگی کے جہاں اور شعبوں میں زوال آیا ہے وہاں اللہ کے بندوں کی پہچان میں بھی ہمارا حال قابل رشک نہیں، بالعموم ہم ہر اس شخص کو ولی سمجھتے ہیں جو ایک خاص نسل کا وارث ہو، کسی قبر کا مجاور ہو اور تعویذ گنڈے کا ماہر ہو، دھونی مار کر بیٹھا ہو، دھمال ڈال کر بیٹھا ہو، سبز رنگ کا چوغہ پہنتا ہو، ہاتھ میں قد کے برابر عصا رکھتا ہو، جناتی زبان کے الفاظ ورد کرتا ہو، جب کہ ان میں سے کوئی بھی ولایت کی نشانی نہیں اور برگزیدگی کی علامت نہیں۔ معلوم نہیں یہ اشارے لوگوں نے کہاں سے حاصل کیے ہیں۔

ولایت ایک دینی اور اسلامی اصطلاح ہے اور دین کا سرچشمہ یا تو کلام الٰہی ہے یا پھر سنت و سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بعد ازاں فقہ ہو یا علم کلام، تصوف ہو یا منطق و فلسفہ، ان میں سے جو چیز قرآن وحدیث اور کتاب وسنت سے ماخوذ یا ہم آہنگ ہو، وہ درست اور باقی ''محل نظر''۔ اسلام میں سند یا حجت، کوئی فقیہ، متکلم، امام، صوفی، فلسفی، مفسر اور محدث نہیں بلکہ آخری اتھارٹی اللہ اور رسول ہیں، جس بات کی سند اور تصدیق ان دو بارگاہوں سے مل جائے وہ سر آنکھوں پر اور ان سے ہٹ کر کوئی قول یا فعل ہو گا تو وہ ترچھی نگاہ کے قابل بھی نہیں۔ اولیاء اللہ وہ ہوتے ہیں جو اپنی خواہش کو خدا کی مرضی سے ہم آہنگ کر چکے ہوں، جو بندگی کے مطلوب درجے پر فائز ہوں، جن کا کردار گرد و پیش کے لیے خدا کی نعمت لگے، جن سے مخلوق آزار نہیں آرام پائے اور خوف خدا کا پیکر اور اطاعت پیغمبر کا مظہر ہوں۔ یہی نشانیاں ہمیں ''کشف المحجوب'' میں لکھی ملتی ہیں، ''قوت القلوب'' میں نظر آتی ہیں، ''رسالہ قشیریہ میں منقول ہیں، ''کتاب اللمع'' میں درج ہیں، ''کیمیائے سعادت'' میں مرقوم ہیں، ''فتوح الغیب'' میں موجود ہیں اور ''التعرف'' میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ ساری کتابیں تصوف کی ''امہات کتب'' کہلاتی ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کے بندوں اور اس کے پیاروں کا تفصیلی ذکر خود اللہ کی کتاب قرآن مجید میں ملتا ہے، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، یہ سب طبقات مقبولان بارگاہ الٰہی ہیں۔ اسی طرح کتاب حکیم میں مؤمنین، متقین، محسنین، قانتین، مجاہدین، خاشعین، راکعین، ساجدین، عاکفین کے کردار و حسن عمل کا ایمان افروز تذکرہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے، ظاہراً یہی وہ لوگ ہیں

جنہیں ولی کہا جائے گا، بزرگ سمجھا جائے گا اور عارف و سالک کا نام دیا جائے گا۔ ولایت اور بزرگی کوئی چیستان اور پہیلی نہیں، جو کسی کی سمجھ میں نہ آسکے، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان اور کرم یہی ہے کہ اس نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کے ذریعے حق اور باطل کو اپنی آخری حد تک تمام جزئیات کے ساتھ واضح فرما دیا اور کوئی ابہام نہیں رہنے دیا، شریعت اسلامی شریعت بیضاء ہے، جس کی رات بھی اسی طرح روشن ہے جس طرح اس کا دن، حلال اور حرام، جائز اور ناجائز، صحیح اور غلط، متحقق اور مشکوک، ہر چیز کھول دی ہے۔ خدا سے قرب کے کیا معنی اور ذرائع ہیں، وہ بھی واضح کر دیے ہیں، خدا سے دوری کی کیا علامات ہیں، وہ بھی بیان کر دی ہیں۔ تقویٰ اور احسان کی منزل کیا ہے؟ اس کی بھی نشان دہی کر دی ہے۔

وہ کون سی ذہنی فکری الجھن تھی جسے اسلام نے دور نہیں کیا؟ وہ کون سی عملی و اخلاقی گرہ تھی جسے اسلام نے نہیں کھولا؟ وہ کون سی علمی و روحانی پیچیدگی تھی جسے اسلام نے رفع نہیں کر دیا؟ اس قدر صراحت و وضاحت کے باوجود خدا معلوم کس لٹریچر اور کن اشخاص کے ذریعے فکری اور عملی مغالطے پیدا ہوئے، کہ اولیاء کرام کو جاننے، پہچاننے اور ماننے کے نئے پیمانے وضع ہو گئے، محمد بن قاسم سے بڑا ولی کون ہو گا، جس کے طفیل جنوبی ایشیاءِ ہند کو اسلام و ایمان کی روشنی نصیب ہو گئی۔ امام اعظم اور دیگر ائمہ و فقہاء سے زیادہ برگزیدہ کون ہو گا، جن کے دماغوں نے فقہی و قانونی گتھیاں سلجھا کر امت کے لیے راہ عمل اور شاہراہ حیات کو ہموار کر دیا۔ اسی طرح حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت جنید بغدادی، حضرت شیخ سری سقطی، خواجہ معین الدین اجمیری، بابا فرید الدین اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم جیسے بے شمار دوسرے اکابر جن کے افکار و اعمال نے گم گشتگان راہ کو صراط مستقیم پر قائم کیا۔ اس معیار اور سطح کے تمام بزرگوں کا تذکرہ مقصود نہیں، محض نمونہ پیش کرنا تھا، لیکن ولایت اور بزرگی کی یہ قسمیں پتہ نہیں کہاں سے دریافت ہوئی ہیں کہ فلاں صاحب بڑے پہنچے ہوئے ہیں، کیوں کہ ان کی کرامت یہ ہے کہ وہ دو تین بار زندہ ہوئے پھر فوت ہو گئے، فلاں بڑے بزرگ ہیں کہ وہ جب سے فوت ہوئے ہیں ان کی ایک ٹانگ قبر سے باہر نکلی ہوئی ہے، فلاں بڑے ولی ہیں کہ ان کے میلے پر ہر سال زور کی بارش ہوتی ہے، فلاں بڑے صاحب کرامت ہیں کہ ان کی قبر پر چھت ڈالو تو وہ فوراً گر پڑتی ہے وغیرہ۔

ہم لوگ یہ باتیں کرتے ہوئے آخر کیوں عقل و تدبر سے کام نہیں لیتے؟ جب کہ قرآن حکیم کی دو تہائی آیات غور و فکر، عقل و شعور اور حکمت و دانش کی دعوت دیتی ہیں، جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا، ولایت برحق ہے اور اولیاء ان صفات کے حاملین، مگر قرب الٰہی کے پیمانے وہی ہیں جو

خود خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ ولی وہ نہیں جسے میں آپ بنا دیں، بلکہ ولی وہ ہوتا ہے جسے خدا تعالیٰ اپنا دوست قرار دے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

”جب منکر نکیر قبر میں پوچھیں گے تمہارا رب کون ہے؟ تو میں کہوں گا پہلے میرے رب سے پوچھو کہ وہ مجھے اپنا بندہ قرار دیتا ہے کہ نہیں؟ میں ربی اللہ کہہ بھی دوں تو کیا ہوگا؟“---

میرے خیال میں قارئین میرے اس احساس کے ہم نوا ہوں گے، اگر میں یہ کہوں کہ خوش وہ شخص نہیں جو خوش حال، خوش لباس، خوش خوراک ہو، بلکہ حقیقی معنوں میں خوش وہ ہے جو خوش رہے۔ اسی لیے اہل دل نے یہ آرزو کی ہے:

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

اسی طرح کامیاب وہ شخص نہیں جس کا ہر کام ہو رہا ہے، بلکہ کامیاب وہ ہے جس کا کسی سے کام ہی نہ پڑے۔ کلی کا چٹکنا اور بچے کا چہکنا، دونوں کی فطرت ہے، اسی لیے یہ دونوں کیفیتیں جاذبیت اور معصومیت سے معمور اور لبریز ہوتی ہیں، کلی کی چٹک میں تصنع کیسا اور بچے کی چہک میں تکلف کیسا؟ زندگی بھی وہی خوب صورت ہے جس میں خوشی ڈھونڈی نہ جائے خود پھوٹ پڑے اور کام نکلوایا نہ جائے بلکہ کام پڑنے کی نوبت نہ آئے۔ اس بھری دنیا میں ایسی خوشی اور کامیابی کا کون طالب نہیں ہوگا؟ ساری تگ و تاز حیات اسی لیے ہے کہ بندہ خوش رہے اور کامیاب کہلائے، یہ الگ بات ہے کہ دنیا نے خوشی کے مراحل اور کامیابی کے مدارج اپنے طور پر وضع کر لیے ہیں۔ خوشی کی اس قدر بے محابا آواز اور کامیابی کی بے تحاشا جستجو کے باوجود حقیقی مسرت ہنوز خواب اور کامرانی نایاب ہے۔

ناخوشی اور ناکامی کا اصل سبب اندیشہ ہے، جسے انگریزی میں Fear کہتے ہیں اور قرآن مجید اسے خوف و حزن کا عنوان دیتا ہے۔

اس دنیا میں پائیدار خوشی اور دائمی کامیابی کا تصور تو کیا جا سکتا ہے۔ حصول اور وجود تقریباً ناممکن ہے، اندیشہ کبھی پیچھا نہیں چھوڑتا، کوئی سیری ایسی نہیں جس کے بعد بھوک نہ ہو، کوئی سیرابی ایسی نہیں جس کے بعد پیاس نہ ہو، کوئی صحت ایسی نہیں جو بیماری سے کلیۃً پاک ہو، کوئی جوانی ایسی نہیں جسے بڑھاپا نہ آئے، کوئی قہقہہ ایسا نہیں جو آنسو سے بالکل ناآشنا ہو، کوئی عروج ایسا نہیں جسے زوال نہ ہو اور کوئی زندگی ایسی نہیں جس کا خاتمہ موت پر نہ ہو۔ ہر چیز کے ساتھ ایک اندیشہ لاحق ہے۔

اس مسلسل تجربے اور بدیہی حقیقت کے باوجود لوگوں نے حصول مسرت کے اقتدار میں پناہ لی، دولت سے ہم آغوش ہوئے اور شہرت کی طلب کی، مگر اس اندیشے سے نجات نہ پا سکے کہ کہیں اقتدار چھن نہ جائے، دولت دغا نہ دے جائے اور شہرت روٹھ نہ جائے، چناں چہ اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے سازش کی گئی، جبر کے حربے آزمائے گئے، خونی رشتے پامال کیے گئے اور عوام کو مسلسل عذاب میں ڈالا گیا۔ دولت کے حصول کے لیے جائز و ناجائز کا فرق مٹایا گیا اور ضمیر بیچ کر امیر بننے اور رہنے کے جتن کیے گئے۔ اسی طرح شہرت کے لپکے نے انسان کو ایسا ڈھنگ اپنانے اور کرتب دکھانے پر آمادہ کیا کہ انسان اور بندر کے درمیان تمیز اٹھ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی الہامی کتاب قرآن مجید نے حقیقی مسرت اور لازوال کامیابی کا گر یہ بتایا کہ انسان خوف اور حزن سے پاک ہو جائے تو وہ اللہ کا دوست یعنی ولی اللہ بن جاتا ہے۔

”آگاہ رہو اللہ کے دوست نہ خوف میں مبتلا ہوتے اور نہ حزن کا شکار ہوتے ہیں“---[یونس:۶۲]

خوف اور حزن دو کیفیات ہیں، جن کا تعلق انسان کے باطن، سوچ، فکر اور دل سے ہوتا ہے، انگریزی کا لفظ Anxiety ٹھیک وہی معنی دیتا ہے جو عربی میں خوف کے ہیں، جس کا مفہوم ہے بے چینی، بے تابی اور اضطراب۔ اسی طرح Depression کا وہی مطلب ہے جو قرآن مجید میں حزن کا ہے، یعنی مایوسی، پژمردگی، اداسی اور آزردگی۔

ان دونوں کیفیات اور اصطلاحات کو اگر کھول کر بیان کیا جائے تو مدعا یہ سامنے آئے گا کہ کسی چیز کے پانے، اپنانے اور حاصل کرنے کی تڑپ خوف کے زمرے میں آتی ہے، آدمی حصول مدعا کے لیے بے چین ہو جاتا ہے کہ یہ نعمت کھو نہ جائے، چھن نہ جائے اور سلب نہ ہو جائے۔ اس فکر میں وہ اداس اور آزردہ رہنے لگتا ہے اور اگر وہ واقعی چلی جائے تو پھر انسان اداس اور مایوس ہو جاتا ہے، جب کہ اللہ کے دوست نہ کسی غیر ضروری چیز کے طالب ہوتے ہیں اور نہ خوف ان پر غالب آتا ہے اور چیز حاصل نہ ہو اس کے چلے جانے کا حزن لاحق نہیں ہوتا۔

یہ ہے رازِ مسرت اور کلید کامرانی۔

یہاں بات یہ نہیں ہو رہی کہ امیر عشق کرتے رہیں، غریب قناعت، بلکہ اس کا لب لباب یہ ہے کہ چند انسانوں نے جو حصول لذت و مسرت کے لیے پوری دنیا میں اندھیر مچا رکھا ہے، انہیں آئینہ دکھایا جائے، یہ وہ سب کچھ پا کر بھی اگر خوف و حزن کے حصار میں رہتے ہیں تو کیا بہتر نہیں کہ وہ پانے کے لپکے سے آزاد ہو کر خود بھی بے خوف ہو جائیں اور مخلوق خدا کو بھی غم گین نہ ہونے دیں۔

مسرت کے حصول کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی مجبور کو آنسو بہانے پر مجبور کیا جائے بلکہ مظلوم کے آنسو پونچھ کر لطف سمیٹا جائے۔ بیوہ کے سر سے دوپٹہ اتار کر مسرت نہیں ملتی، اسے پناہ دے کر راحت نصیب ہونی چاہیے۔ کسی یتیم کو جھڑک کر دور ہٹانے سے آدمی خوش نہ ہو بلکہ اسے لپک کر سینے سے چمٹانے سے شاد ہو۔

جنہیں ہر لحظہ پانے کا جنون ہوتا ہے، پھر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی قیمت کیا دی جا رہی ہے، خوشامدی، چاپلوسی، بے غیرتی، چمچہ گیری، مدح سرائی، قصیدہ خوانی، بے توقیری یہ سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ خدا معلوم یہ سب کچھ کرنے اور غیرت، حمیت، انانیت، عزت نفس گنوا دینے کے بعد کچھ مل جائے، سراسر ایک کیفیت ہے، مگر جو شخص ان تمام لطیف کیفیات کو حصول مطلب کے لیے خود ہی پامال کر ڈالے وہ سکون میں کیسے رہ سکتا ہوگا؟ رہ گئی وہ چیز جس کا بندہ مستحق ہے، تو وہ گھر بیٹھے مل جاتی ہے۔ کیا سقراط نے دانش اپنی عزت نفس بیچ کر لی تھی؟ کیا افلاطون کو دماغ اپنی غیرت تج کر ملا تھا؟ کیا دیوجانس کلبی کو فقر اور بے نیازی بھاگ دوڑ کے نتیجے میں ملی تھی؟ کیا جنید و بایزید کو ولایت کسی بادشاہ کی خوشامد کے عوض نصیب ہوئی تھی؟ کیا مولانا روم اور سعدی شیرازی کو یہ شہرت دوام کسی ہوس میں مبتلا ہو کر ارزاں ہوئی؟ کیا غزالی و رازی کو یہ مقام دولت کے بل بوتے پر حاصل ہوا ہے؟ کیا اقبال کی قلندری کے پیچھے کوئی تونگری کارفرما ہے؟ ہرگز نہیں بات وہی ہے جو پہلے ہو چکی ہے کہ

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق

آدمی اگر پانے کے خمار اور کھو جانے کے آزار سے پاک ہو جائے تو وہ مٹی کے ڈھیلے سے سونے کے ڈلے جیسے حسن پاتا ہے اور اسے کچے چھپر میں قصر مرمر جیسا سکون ملتا ہے۔ حبیب جالب کے ایک جملے نے مجھے پہروں تڑپا کر رکھ دیا تھا کہ ”لوگوں نے اتنا پایا نہیں، جتنا میں نے ٹھکرایا ہے“۔

اہل دنیا پانے کے فن سے تو آگاہ ہیں، کبھی ٹھکرانے کا ہنر بھی آزما لیں، شاید فردوس گم گشتہ اسی خطہ ارضی پر مل جائے۔

❁❁❁❁❁

تخت سکندری پر وہ تھوکتے نہیں ہیں
بستر لگا ہوا ہے جن کا تری گلی میں

ارشادات حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ کا شمار اکابر اولیاء کرام میں ہوتا ہے، لاہور میں آپ کا مزار پرانوار مرجع خاص و عام ہے--- آپ کی تصنیف لطیف ”کشف المحجوب“ تصوف کا کامل نصاب اور رہنما کتاب ہے--- آپ کا عرس مبارک ۱۹-۲۰ رصفر المظفر کو ہوتا ہے، اسی مناسبت سے آپ کے ارشادات عالیہ پر مبنی مولانا محمد قیوم الٰہی عرفانی کا ایک مختصر مضمون شامل اشاعت ہے---[ادارہ]

نیت

انسان کا ارادہ بنیادی طور پر نیت سے وابستہ ہو تو پھر عمل میں اگر کوئی خرابی یا خامی رہ جائے تو خدا کے حضور وہ قابل معافی ہوگا۔

غرض نفسانی

کتنا ہی مقدس کام کیوں نہ ہو، جب اس میں غرض نفسانی شامل ہو جاتی ہے، تو اس سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔

حرص و ہوا سے حذر کا ثمرہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا ”آپ نے یہ درجہ کس عمل کے بدلے میں پایا ہے؟“ وہ بولا کہ میں نے حرص و ہوا کے راستے پر قدم نہ رکھا تو ہوا میں اڑ رہا ہوں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک روز میرے مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ بیت الحسن دمشق جانے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ بارش کی وجہ سے کیچڑ بہت ہو گیا، جس میں چلنا مشکل تھا اور مجھ میں اس کیچڑ کے اندر چلنے کی ہمت نہ تھی۔ میں نے اپنے شیخ کو دیکھا کہ ان کے کپڑے اور نعلین مبارک بالکل خشک اور صاف تھے، میں نے عرض کیا، حضور! آپ کے کپڑے اور نعلین مبارک بالکل خشک ہیں، آخر کیا وجہ ہے؟ فرمایا:

چوں کہ میں نے اپنی ہمت توکل کی راہ سے اٹھالی ہے اور دل کو حرص و ہوا سے صاف کر لیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کی آلائشوں اور کیچڑ سے محفوظ کر لیا ہے۔

اخلاص کی برکت

حضرت ابوسعید حزاز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عادتاً تین دن کے بعد صرف ایک دن کا کھانا کھاتا تھا۔ ایک دن جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ مجھے کچھ ضعف محسوس ہوا۔ طبعیت نے کھانا مانگا، لیکن نہ مل سکا تو میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ غیب سے آواز آئی، اے ابوسعید! نفس کو آرام دینے کے لیے کھانا چاہتا ہے یا کھانے سے اپنی جسمانی کمزوری دور کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جواب دیا، ابھی چلنے پھرنے کی قوت چاہتا ہوں۔ فوراً مجھ میں ایسی قوت آئی کہ بارہ منزل تک بغیر بھوک اور پیاس کے چلتا گیا۔

توبہ

راہِ حق کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ و استغفار ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوالعباس مہدی سیاروی مرو کے بڑے رئیسوں میں سے تھے، انہیں باپ کے ترکہ سے کافی مال و دولت ہاتھ آیا۔ آپ نے اس تمام مال و دولت سے شفیع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بال مبارک حاصل کیے۔ اللہ سبحانہ نے ان کو ان دو مبارک بالوں کی برکت سے توفیق توبہ عطا فرمائی۔ جب آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو وصیت کی کہ یہ دونوں بال مبارک میرے منہ میں رکھ دینا۔

آج تک مرو میں ان کا یہ اثر ہے کہ لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے ان کی قبر پر جاتے ہیں اور بامراد واپس آتے ہیں اور مقاصد کے حصول اور مشکلات کی گرہ کشائی کے لیے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جانا مجرب ہے۔

خواہش نفس

نفس کی مخالف تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے۔ نفس کی نجات کا واحد ذریعہ خوف الٰہی ہے۔

وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ○ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ○---[النازعات: ۴۰، ۴۱]

"جس نے نفسانی خواہشات کو روکا، جنت اس کی جائے رہائش ہوگی"---

نماز

- نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ طالبان حق خواہ مبتدی ہوں یا منتہی، اسی کے ذریعے فلاح کا راستہ پاتے ہیں۔
- نماز کے لیے بظاہر جسم کو ناپاکی سے پاک رکھنا اور باطن میں خواہشات و شہوات سے بچنا ضروری ہے۔
- لباس پاک ہو اور مال حرام سے خریدا ہوا یا بنوایا ہوا نہ ہو۔
- ظاہر میں تو منہ کعبۃ اللہ شریف کی جانب ہو لیکن دل عرش معلیٰ پر حاضر موجود ہو۔
- خلوص نیت سے حضور حق میں کھڑا ہو۔ تکبیر پڑھتے ہوئے مقام ہیبت میں ہو۔ رکوع میں جائے تو کمال عجز و انکساری کے ساتھ۔
- سجدہ کرے تو گڑگڑا کر اپنی ذلت کا اعتراف کرے۔

روزہ

روزہ باطنی عبادت ہے، ظاہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی جزا کی کوئی انتہا نہیں۔

بھوک

پیٹ بھر کر کھانا جانوروں کا کام ہے اور بھوک مردان حق کا علاج، بھوک تعمیر وطن اور پیٹ بھر کھانا آبادیٔ شکم ہے۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کی حقیقت یہ ہے کہ ہر نعمت پر کا خدا کا شکر ہوتا رہے اور نعمت کی گوناگوں اقسام میں سے ایک نعمت تن درستی بھی ہے، جو بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ لہٰذا جسم کے ایک ایک عضو پر زکوٰۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام اعضاء کو خدمت الٰہی میں مستغرق رکھے اور عبادت حق میں مشغول رہے اور انہیں کسی بھی قسم کے لغو اور واہیات مشغلوں اور خرافات میں نہ الجھنے دے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر شاعرمشرق رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری

محمد اصغر مجددی

(یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں حضرات کا وصال ماہ صفر میں ہوا---حضرت مجدد الف ثانی ۲۸/صفر۱۰۳۴ھ اور علامہ اقبال ۸/صفر۱۳۵۷ھ/ ۹/اپریل ۱۹۳۸ء کو راہیٔ ملک بقا ہوئے)[ادارہ]

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ زمین مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

بالِ جبریل میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب کے پیرزادوں سے خطاب کرتے ہوئے مندرجہ بالا اشعار میں جہاں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے قلبی لگاؤ اور روحانی و نظریاتی وابستگی کا اظہار کیا ہے، وہاں انھوں نے عہد اکبری وعہد جہاں گیری کی پوری تاریخ کو بھی اجمالی طور پر سموڈالا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس پرفتن دور میں دین اسلام کے خلاف ہونے والی گھناؤنی سازشوں اور حکومتی سرپرستی میں فروغ دیے جانے والے مشرکانہ رسوم ورواج، ملحدانہ افکار ونظریات اور بدعات وگمراہیوں کے خلاف حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مجددانہ کردار، متحدہ قومیت و وحدت ادیان کے فتنے کی سرکوبی، مسلمانوں کی قومی انفرادیت، اسلامی و ملی تشخص کی حفاظت اور تجدید واحیائے دین کے لیے ان کی بے مثال قربانیوں اور لازوال خدمات، سرمایہ ملت کی نگہبانی کے لیے قید وبند کی صعوبتوں کو عزم وہمت سے برداشت کرنے اور شاہی

کروفر کے سامنے سر نہ جھکانے پر انھیں زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عقیدت ومحبت کو صرف شعروشاعری اور زبانی کلامی تحسین آفرینی تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ انہوں نے اپنے کلام میں یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ وہ حضرت مجدد کی ذات بابرکات سے اس حد تک متاثر ہیں کہ وہ ان کے مزار پرانوار پر باقاعدہ حاضری بھی دیتے ہیں۔ان کے نظریے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک زیرزمین مطلع انوار ہے اور جس مزار مبارک میں حضرت مجدد آرام فرما رہے ہیں، اس خاک پاک کی اہمیت آسمان کے ستاروں سے بھی کہیں زیادہ تابندہ وروشن تر ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت امام ربانی کے مزار پرانوار سے اکتساب فیض کو جائز سمجھتے ہوئے حضرت مجدد کے مزار پر ایک سائل بن کر حاضر ہوتے ہیں اور نہایت ہی عجز وانکسار کے ساتھ ان سے فقر کی دولت کی بھیک کے لیے عرض گزار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں:

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ برصغیر میں شمع اسلام روشن کرنے والے اولیائے امت کے نا صرف معتقد تھے بلکہ ان کے آستانوں پر حاضری کو سعادت دارین سمجھتے تھے۔ انھیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پرانوار مزار، مطلع انوار سے جو والہانہ عقیدت تھی اور ان کی نظر میں یہ آستانہ جس قدر مقدس ومحترم تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کے بیٹے جاوید اقبال پیدا ہوئے تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نذر مانی تھی کہ جب میرا بیٹا بڑا ہو جائے گا تو اس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری کے لیے سرہند شریف لے جاؤں گا۔ ایک صبح علامہ اقبال نماز پڑھ کر سوئے تو کسی نے خواب میں ان کو سرہند شریف کے لیے اشارہ کیا، چناں چہ ۲۹/جون ۱۹۳۴ء کو وہ اپنے فرزند جاوید اقبال کو ہمراہ لے کر سرہند گئے اور وہاں حاضری دے کر لاہور واپس آ گئے۔[اقبال نامہ]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دل ودماغ اور قلب پر جو اثرات مرتب ہوئے، اپنی قلبی کیفیت وواردات کے بارے میں سید نذیر نیازی کے نام اپنے مکتوب گرامی میں خود لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار نے میرے دل پر بہت اثر کیا، بڑا پاکیزہ مقام ہے، پانی اس کا سرد وشیریں ہے۔سرہند کے کھنڈر دیکھ کر مجھے مصر کا

قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا، جس کی بنا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی۔ اگر کھدائی ہو تو اس زمانے کی تہذیب وتمدن کے متعلق کیا کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ میر کے زمانے تک بحال تھا اور موجودہ لاہور سے وسعت اور آبادی میں دوگنا تھا‘‘---[مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی، صفحہ ۱۴۶]

سرہند شریف حاضری کے لیے کیے جانے والے سفر کے بارے میں خود جاوید اقبال کہتے ہیں:

’’میں نے سن رکھا ہے کہ میری پیدائش سے چند سال قبل ابا جان (علامہ اقبال) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایک بیٹا عطا کرے۔ آپ نے حضرت مجدد سے یہ عہد بھی کیا کہ اگر خدا تعالیٰ نے انھیں بیٹا دیا تو وہ اسے لے کر مزار پر حاضر ہوں گے۔ آپ کی دعا پوری ہوئی، کچھ عرصہ بعد جب میں نے ہوش سنبھالا تو مجھے اپنے ہمراہ لے کر دوبارہ سرہند شریف پہنچے۔ اس سفر کے دھندلے سے تصورات میری نگاہوں کے سامنے ابھرتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ ان کی انگلی پکڑے ہوئے مزار میں داخل ہو رہا ہوں، گنبد کے تیرہ وتار مگر پروقار ماحول نے مجھ پر ایک ہیبت طاری کر رکھی ہے، پھٹی پھٹی آنکھوں سے میں اپنے چاروں طرف گھور رہا ہوں، جیسے میں اس مقام کی خاموشی و ویرانی سے کچھ کچھ شناسا ہوں۔ ابا جان نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا، پھر انھوں نے قرآن مجید کا ایک پارہ منگوایا اور دیر تک اس کو پڑھتے رہے۔ اس وقت ہم دو ہی تربت کے قریب بیٹھے تھے۔ گنبد کی خاموش فضا میں ان کی آواز کی گونج ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو امنڈ کر رخساروں پر ڈھلک آئے ہیں‘‘---

[مجدد الف ثانی نمبر، ماہ نامہ نور اسلام، شرق پور شریف، جنوری، فروری ۱۹۸۸ء، صفحہ ۴۴۶]

متذکرہ حوالے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹے کے حصول کے لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارکہ پر دعا کی، جس کو اللہ رب العزت نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت و وسیلے سے منظور فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ تمام دنیاوی رشتوں، رابطوں، تعلقات ووسائل پر اولیاء اللہ اور مردان خدا کے آستانوں کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

غارت گر دیں ہے یہ زمانہ ہے بنیاد اس کی کافرانہ
دربار شہنشہی سے خوش تر مردانِ خدا کا آستانہ

۞۞۞۞۞

چودھویں صدی کے عظیم المرتبت مجدد دین و ملت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد ناصر خان چشتی

علم وحکمت کے بے تاج بادشاہ، مجدد دین وملت، عظیم المرتبت محدث، فقیہ اعظم، پاسبانِ ناموسِ رسالت، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ر شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ/ ۱۲ر جون ۱۸۵۶ء، بہ روز اتوار، ہندوستان کے مشہور شہر بریلی کے محلّہ ’’جسولی‘‘ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پیدائشی نام ’’محمد‘‘ اور تاریخی نام ’’المختار‘‘ ہے، جب کہ آپ کے جد امجد مولانا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام ’’احمد رضا‘‘ رکھا۔ آپ کے والد گرامی امام المتکلمین مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے جد امجد مولانا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے جلیل القدر علماءِ کرام میں شمار کیے جاتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے مذہب کی طرف راغب تھے، اسی مذہبی اور پر تقدس ماحول میں آپ نے صرف چار، پانچ برس کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا اور اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں اور حیرت انگیز قوت حافظہ کی بنا پر صرف تیرہ سال اور دس ماہ کی عمر میں علم تفسیر، حدیث، فقہ واصول فقہ، منطق وفلسفہ اور علم کلام ایسے مروّجہ علوم دینیہ کی تکمیل کر لی۔

آپ نے بعض علوم اپنے وقت کے جید علماء کرام سے حاصل کیے اور بعض علوم میں اپنے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے کمال پیدا کیا، خصوصاً علم ریاضی، علم جفر اور علم نجوم و ہیئت وغیرہ میں اپنے ذاتی مطالعہ سے ایسی دسترس حاصل کی کہ ان علوم و فنون کے میدان میں اپنے تمام ہم عصروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ریاضی اور علم جفر کے بھی بڑے بڑے ماہرین نے آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور مشرق و مغرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیضان جاری و ساری ہو گیا۔

آپ علم و فضل کے اتنے بلند ترین مقام پر فائز تھے کہ عرب و عجم کے علماء کرام نے شان دار الفاظ میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا اور عظیم الشان القاب سے نوازا۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے ہمراہ پہلی بار حج بیت اللہ کے لیے گئے۔

۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء میں آپ دوسری بار زیارت حرمین شریفین کے لیے گئے تو وہاں کے علماء کبار کے لیے نوٹ (کرنسی) کے ایک مسئلے کا حل "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب "الدولۃ المکیّۃ" بھی تحریر فرمائی، جس میں حضور سیّد عالم ﷺ کے علم غیب کے اثبات پر عالمانہ اور محققانہ بحث کر کے حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت فرمایا ہے۔ چناں چہ ان ہی تصانیف جلیلہ کی بنا پر بعض علماءِ حرمین طیبین نے آپ کو "مجدد اُمت" کا خطاب دیا ہے۔

شرفِ بیعت و خلافت

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۷ء میں حضرت شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور دیگر سلاسل مثلاً سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ وغیرہ میں دوسرے مشائخ سے خلافت و اجازت حاصل کی۔

سیرت و کردار

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے تقویٰ و طہارت، اتباعِ سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسن سیرت کے اوصاف جلیلہ سے مزین ہو چکے تھے۔ آپ کی زندگی کے تمام گوشے اور تمام شعبے اتباع شریعت اور اطاعت و محبت رسول ﷺ سے معمور تھے۔ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اور زندگی کا ایک ایک گوشہ کتاب و سنت کی پیروی میں گزرا۔

آپ صرف چودہ برس کی عمر میں ہی عظیم الشان عالم اور عظیم المرتبت فاضل ہو گئے تھے اور پھر تقریباً چون (۵۴) برس تک مسلسل دینی اور علمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے سب کام

حب الٰہی اور حب رسول ﷺ کے ماتحت تھے۔ آپ کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ چوبیس گھنٹوں میں صرف ڈیڑھ یا دو گھنٹے آرام (وہ بھی سنت رسول ﷺ پر عمل کی وجہ سے) فرماتے اور باقی تمام وقت تصنیف و تالیف، درس و تدریس، کتب بینی، افتاء اور دیگر خدمات دینیہ میں صرف فرماتے۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہم عصر تھے اور آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک موقع پر آپ کو خراج عقیدت اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> "ہندوستان کے دورِ آخر میں امام احمد رضا جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا، اُن کے فتاویٰ، اُن کی ذہانت و فطانت، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی، اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خان اپنے دور کے امام ابوحنیفہ ہوتے"---
>
> [بحوالہ: اسلامی انسائی کلوپیڈیا، صفحہ ۱۱۳۸]

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام عمر درس و تدریس، وعظ و تقریر، افتاء اور تالیف و تصنیف میں بسر ہوئی، آپ کو آقائے نامدار حضور سید عالم ﷺ سے والہانہ عشق و محبت تھی۔ ذکر و فکر کی ہر مجلس میں تصورِ رسالت مآب ﷺ سے ذہن شاداب رہتا تھا۔ دین اسلام کے ہر گوشے اور ہر شعبے کو محبت رسول ﷺ میں سمو دیا۔ عشق و محبت کی پاکیزہ لطافتوں کو جن لوگوں نے بدعت کا نام دیا، آپ نے انہیں سنت و بدعت کا فرق سمجھایا۔ عظمت رسول ﷺ میں تنقیص و کمی کرنے والوں کا عاشقانہ غیرت سے احتساب کیا اور ذکر و فکر اور علم و عمل کے ہر پہلو میں عظمت رسول کو اجاگر کیا۔

تقدیسِ خداوندی اور ناموسِ رسالت اور عظمت مصطفوی ﷺ کی جو تحریک آپ نے ۱۸۷۸ء سے ۱۹۲۱ء تک جاری رکھی اور محافلِ میلاد کے انعقاد کی جو مشعلیں آپ نے روشن رکھیں، وہ آج چمکتے ہوئے ستاروں میں تبدیل ہو کر چہار دانگِ عالم میں روشنیاں بکھیر رہی ہیں، آپ نے مختصر سی عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیاتِ خداوندی میں سے ایک آیت کا درجہ رکھتا ہے۔

امام احمد رضا! کسی فردِ واحد کا نام نہیں بلکہ تقدیسِ الوہیت اور ناموسِ رسالت اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کی تحریک کا نام ہے۔ عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام ہے۔ عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں ڈوب کر

دھڑکنے والے مبارک قلب کا نام ہے اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی، امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی زندہ و تابندہ رہے گا اور آج اگر عصمتِ انبیاء اور عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چراغ روشن ہے تو امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دامن اس کا فانوس بنا ہوا ہے۔

تصانیف اور علوم و فنون

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن سے زائد علوم وفنون پر مکمل دست رس اور مہارت حاصل تھی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کثیر التصانیف عالم دین ہیں۔ آپ کی تصانیفِ جلیلہ کی تعداد کم و بیش ایک ہزار (۱۰۰۰) تک ہے۔ کثرتِ تصانیف کے لحاظ سے بھی آپ کی شخصیت ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ اس قدر تصانیف کے علاوہ آپ نے مختلف علوم وفنون کی تقریباً اسّی (۸۰) کتابوں پر حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔

وہ علوم وفنون جن میں آپ کی یادگار علمی و تحقیقی تصانیف ہیں، مثلاً عقائد، کلام، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تجوید، تصوف، فضائل و مناقب، علم جفر، علم ریاضی و ہندسہ، زیجات، توقیت اور علم نجوم و ہیئت وغیرہ شامل ہیں اور ان میں نمایاں ترین تخلیق شانِ اُلوہیت اور ناموسِ رسالت، عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، احترام اولیاء اور روحِ قرآن کے مطابق قرآنِ مجید کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ الموسوم ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' ہے، جو اسم بامسمّٰی ترجمہ ہے، یعنی اس کے پڑھنے سے واقعی ایمان وایقان کا خزانہ حاصل ہوتا ہے، بلکہ اور زیادہ ہوتا ہے۔

دوسری شہرۂ آفاق تصنیف بارہ ضخیم جلدوں میں شان دار علمی شاہ کار اور تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل فقہی انسائی کلوپیڈیا ''فتاویٰ رضویہ'' ہے، جس میں ہزاروں قدیم و جدید شرعی مسائل و احکام اور علمی و فقہی تحقیقی فتاویٰ قلم بند ہیں۔ اب یہ فتاویٰ تخریج و تحقیق اور ترجمہ و تسہیل کے ساتھ رضا فاؤنڈیشن لاہور نے ۳۰ (تیس) جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔

علمی و فقہی مقام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ رضویہ کے کتاب الطہارۃ کے باب التیمم میں ایک نادر فتویٰ تحریر فرمایا، جس میں آپ نے ایک سو اکاسی (۱۸۱) ایسی چیزوں کے نام گنوائے ہیں، جن سے تیمّم کیا جا سکتا ہے، اس میں ۷۴ منصوصات (یعنی وہ مسائل و احکام جنھیں فقہاءِ متقدمین نے بیان فرما دیا) اور ۱۰۷ مزیدات (یعنی وہ مسائل و احکام جنھیں آپ نے اپنے اجتہاد و استنباط سے بیان فرمایا) ہیں۔ اور پھر ایک سو تیس (۱۳۰) ایسی اشیاء کے نام تحریر کیے ہیں،

جن سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے، ان میں ۵۸ منصوصات اور ۷۲ زیادات ہیں۔

اسی طرح امام احمد رضا خان بریلوی نور اللہ مرقدہ نے وضو کے لیے پانی کی اقسام پر بحث کرتے ہوئے ایسے پانی کی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) قسمیں بیان کی ہیں، جس سے وضو کرنا جائز ہے اور وہ پانی جس سے وضو جائز نہیں، اس کی ایک سو چھیالیس (۱۴۶) اقسام بیان فرمائی ہیں اور اسی طرح پانی کے استعمال سے عجز کی ایک سو پچھتر (۱۷۵) صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

امام اہلسنّت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز نے ایک سوال کہ ''باپ پر بیٹے کا کس قدر حق ہے'' کے تحت احادیث مرفوعہ کی روشنی میں تفصیلی جواب دیتے ہوئے اولاد کے ساٹھ (۶۰) حقوق بیان فرمائے اور فرمایا کہ یہ حقوق پسر اور دختر (بیٹا اور بیٹی) دونوں کے لیے مشترک ہیں اور پھر بیٹے کے خاص پانچ حقوق لکھے اور دختر کے لیے خاص پندرہ حقوق لکھے۔ اس طرح آپ نے اولاد کے کل اسی (۸۰) حقوق تحریر فرمائے ہیں۔

ہم نے صرف یہ تین مثالیں آپ کے سامنے اختصار و اجمال کے ساتھ پیش کی ہیں، ورنہ فتاویٰ رضویہ کے جہازی سائز کی بارہ ضخیم جلدیں اس قسم کی تحقیقاتِ نادرہ و عجیبہ سے لبریز پڑی ہیں اور جن کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے قلب و دماغ میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سی مجتہدانہ ذہانت و بصیرت ہے۔

جلیل القدر مجدد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سرے پر ایک آدمی بھیجے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا''---[سنن ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح]

مجدد کی سب سے بڑی علامت و نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ گزشتہ صدی کے آخر میں اس کی پیدائش اور شہرت ہو چکی ہو اور موجودہ صدی میں بھی وہ مرکز علوم وفنون سمجھا جاتا ہو، یعنی علماءِ کرام کے نزدیک اس کے احیاءِ سنت و ازالہ بدعت اور دیگر خدماتِ دینیہ کا خوب چرچا اور شہرت ہو۔

علماء کرام کی بیان کردہ علامات کے سو فیصد مصداق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ثابت و مسلّم ہیں۔ جن کو حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عرب و عجم کے ممتاز علماءِ کرام اور مشائخِ عظام نے (چودھویں صدی کے) مجدد کے عظیم لقب سے پکارا ہے۔

علماء اسلام کے بیان کیے فرمودہ اصول کے مطابق اگر اہل حق چودھویں صدی کی فضائے اسلام پر

نگاہ ڈالیں تو اُنھیں مجددیت کا ایک درخشاں آفتاب اپنی نورانی شعاعوں سے بدعت وضلالت اور کفر وشرک کی تاریک و دبیز تہوں کو چیرتا ہوا نظر آئے گا، جس کی بے مثال تابانی سے ایک عالم چمک و دمک رہا ہے اور وہ فخر روزگار مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا خان بریلوی، حنفی، قادری ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ر شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ میں ہوئی اور آپ کا وصال ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ میں ہوا۔ یوں آپ نے تیرھویں صدی میں ستائیس سال، دو مہینے اور بیس دن پائے۔ جس میں آپ کے علوم وفنون، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، افتاء اور وعظ وتقریر کا شہرہ ہندوستان سے عرب وعجم تک پہنچا اور چودھویں صدی میں چالیس سال، ایک مہینا اور پچیس دن پائے۔ جس میں حمایت دین، نکایت مفسدین، احقاق حق وازہاق باطل، اعانت سنت اور اماتت بدعت کے فرائض منصبی کچھ ایسی خوبی اور کمال کے ساتھ آپ نے سرانجام دیے جو آپ کے جلیل القدر مجدد ہونے پر شاہد عدل ہیں۔

شاہ کار نعتیہ کلام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ علوم دینیہ کے عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ شعر وسخن کا بھی اعلیٰ ذوق وشوق رکھتے تھے اور آپ فن شاعری میں بھی بڑا کمال رکھتے تھے، لیکن آپ کا ذوقِ سلیم حمد وثناء اور نعت ومنقبت کے علاوہ کسی اور صنف سخن کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ آپ کے اس شعر وسخن کے کلام میں بھی وہی عالمانہ وقار ہے۔ وہی قرآن وحدیث کی ترجمانی ہے، وہی سوز وساز اور کیف وسرور کا سامان ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سرتا پا جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار رہتے تھے۔ آپ نے جس والہانہ عقیدت سے اور جذبہ عشق ومحبت میں ڈوب کر جو آقائے نامدار حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی شان میں نعتیں لکھیں ہیں، اُن کا ایک ایک لفظ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلا ہوا تھا، جو سامع کے قلب ودماغ میں اتر کر سامع کے دل میں عشق رسول ﷺ کی شمع کو روشن کر دیتا ہے۔ آپ کے مشہورِ زمانہ ''سلام'' کی گونج پورے عالم اسلام میں اور بالخصوص برصغیر پاک وہند کے گوشہ گوشہ میں کہیں بھی اور کسی بھی وقت سنی جاسکتی ہے۔

وہ مشہورِ زمانہ سلام یہ ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام!

اسی طرح آپ کیا یک معروف نعت، جس میں آپ نے کمال مہارت سے ہر شعر میں

چار مختلف زبانوں (عربی، فارسی، اردو اور ہندی) کو بڑے خوب صورت اور دل نشین انداز میں یک جا کر کے موتیوں کی مالا کی طرح پرو دیا ہے، اس کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

لم یأت نظیرك فی نظر ، مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے ، تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علا و الموج طغیٰ ، من بے کس وطوفاں ہوش رُبا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا ، موری نیا پار لگا جانا

وصال مبارک

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل مدت تک تشنگان علم ومعرفت کو اپنے کمالات ظاہری وباطنی سے مستفید کر کے اور عالم اسلام میں روحانیت، تقرب الٰہی، علم وحکمت اور عشق رسول ﷺ کا عالم گیر ذوق پیدا کر کے ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ ہجری، (۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء)، بہ روز جمعۃ المبارک، دو بج کر اڑتیس منٹ (۲:۳۸) پر آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اُدھر مؤذن نے حی علی الفلاح کی صدا بلند کی، اِدھر آپ نے جان! جان آفرین کے سپرد کر دی۔

''سوانح امام احمد رضا'' کی تحقیق اور روایت کے مطابق جس وقت آپ کا وصال ہوا، اسی وقت بیت المقدس کے ایک شامی بزرگ نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور آثار سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی کے انتظار میں ہیں۔ انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا کسی کا انتظار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں، احمد رضا کا انتظار ہے''---

انھوں نے پھر عرض کی، یا رسول اللہ! یہ احمد رضا کون ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں''---

چناں چہ بیدار ہونے کے بعد اس شامی بزرگ نے پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ امام احمد رضا خان بریلوی ہندوستان کے بڑے جلیل القدر عالم دین ہیں اور اب تک بہ قید حیات ہیں، چناں چہ وہ شوقِ ملاقات میں ہندوستان کی طرف چل پڑے۔ جب بریلی شریف پہنچے تو اُنھیں بتایا گیا کہ آپ جس عاشق رسول امام احمد رضا سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں وہ تو ۲۵ر صفر المظفر کو اس عالمِ فانی سے عالمِ جاوِدانی کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔

حضرت شاہ محمّد گل قادری کابلی رحمۃ اللہ علیہ

﴿آپ جناب شیخ طریقت ہیں صدر الافاضل حضرت سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے﴾

سال ولادت:	۱۲۵۸ھ	بہ الفاظ بحساب ابجد	''گنجینۂ علمِ شریعت''
سال ولادت:	۱۸۴۲ء	بہ الفاظ بحساب ابجد	''جلوۂ صدق وخوبیٔ شریعت''
سال وصال:	۱۳۳۰ھ	بہ الفاظ بحساب ابجد	''سراجِ حسنِ طریقتِ مصطفٰی''
سال وصال:	۱۹۱۲ء	بہ الفاظ بحساب ابجد	''خورشیدِ بصائر ومعارفِ محمد''

●●●

قطعۂ تاریخ (سال وصال)

نام جس کا ہے ''شہ محمد گل'' صاحبِ اعتلا و عظمت ہے
نازشِ عارفانِ سرورِ دیں فخرِ عشاقِ جانِ رحمت ہے
اس نے عشقِ نبی کا درس دیا دین ، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے
وہ طریقت کے احتشام کا عکس مظہرِ شوکتِ شریعت ہے
وہ صفا کا ، ہدیٰ کا بطلِ جلیل بزمِ عالم میں اس کی شہرت ہے
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے وہ محمود آشکار اِس سے اُس کی عظمت ہے
اس کے سالِ وصال کی تاریخ
''مرکزِ دانش و بصیرت'' ہے
۱۳۳۰ء

''فقیر بابِ غوثِ حق'' (۲۰۰۹ء)
محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا کیے جانے میں حکمت

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیان فرمودہ ایک علمی نکتے پر

عیسائیہ عورت کا قبول اسلام

علامہ غلام جیلانی

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے استاذی حضرت مولانا مولوی محمد حسنین رضا خاں صاحب قبلہ سے دارالعلوم منظر اسلام (محلّہ سوداگران بریلی) میں غالباً ۱۳۴۳ھ میں تفسیر جلالین پڑھ رہا تھا۔ ایک روز درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا بیان آیا۔ رفقائے درس میں سے جناب مولوی ابرار حسن خاں صاحب صدیقی (تلہری) رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ محترم سے سوال کیا۔

سوال: حضرت عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو بن باپ کے پیدا فرمانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: جواب میں استاذ محترم نے فرمایا کہ ایک واقعے کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے، جواب سے پہلے تم لوگ اس واقعہ کو سنو! اس کے آخر میں جواب بھی مذکور ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ عرصہ گزرا کہ شہر بریلی کی ایک مسلمہ عورت، مذہب عیسائیت قبول کر کے گھر سے غائب ہوگئی (معاذ اللہ) اس کے گھر والے اس کو واپس لانے کے لیے بے چین تھے۔ اس کے بارے میں سراغ رسانی کرتے، جب انہیں یہ پتہ چلتا کہ فلاں شہر میں ہے تو اس کی ماں (کسی محرم کو ساتھ لے کر) وہاں پہنچتی اور اپنی لڑکی سے ملنا چاہتی، مگر عیسائی جو اُس کے نگران تھے،

اس سے ملنے نہیں دیتے۔اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ کسی اور شہر میں منتقل کر دیتے (غالباً ان نگران انسانوں کا یہ خیال رہا ہوگا کہ لڑکی اپنی ماں سے ملے گی تو فطری محبت کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ چلی جائے اور پھر دینِ اسلام کی طرف لوٹ جائے) جب اس کی ماں کو معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسری جگہ منتقل کر دی گئی ہے، تو اپنے مکان واپس آتی اور پھر سراغ رسانی کرتی، جب پتہ چلتا کہ فلاں جگہ پر ہے تو اس کی جستجو میں پھر جاتی اور ناکام واپس آتی۔اس طرح جب اس کو کئی بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو مایوسی کے عالم میں ایک دن اس نے سوچا کہ چلو بڑے مولوی صاحب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی داستانِ غم بیان کر دوں، شاید وہ کوئی تدبیر یا وظیفہ بتائیں، جس کی برکت سے میری بیٹی مجھے واپس مل جائے۔چناں چہ اس نے حاضر ہو کر اپنی داستانِ غم بیان کی اور عرض کیا کہ حضور! اس کی بازیابی کے لیے دعا کریں اور مجھے کوئی تدبیر بتائیں، جس پر عمل کروں۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ جا تیری لڑکی شہر الٰہ آباد میں ہے۔ان شاء اللہ وہاں تجھ کو مل جائے گی۔چناں چہ اس کی ماں وہاں پہنچی اور اتفاق ایسا ہوا کہ اس کی لڑکی سے یہاں پر اس کی ملاقات بھی ہو گئی۔عرصہ دراز کے بعد اس ملاقات سے اس لڑکی کا دل بھر آیا۔اعلیٰ حضرت کے فرمانے کے مطابق اس نے اپنی لڑکی کو یہاں پایا۔باہم ملاقات ہو گئی۔اس سبب سے اعلیٰ حضرت کے ساتھ اس کی عقیدت میں مزید استحکام ہو گیا۔الٰہ آباد میں اقامت کے دوران ان کی کئی بار ملاقات کے بعد اس کی ماں نے بچی سے مکان واپس چلنے کے بارے میں کہا۔ بچی نے جواب دیا کہ!

”مذہب عیسائیت پر میری پختگی بعض دلائل کی بنا پر ہے (معاذ اللہ) میں تمہارے ساتھ جاؤں گی تو اس اسلامی ماحول میں تمہارے ساتھ میری گزر کیسے ہو گی“---

اس کی ماں نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ چلو، میں تم کو بڑے مولوی صاحب کے پاس لے چلوں گی۔ان کے سامنے تم اپنے شکوک پیش کرنا۔مجھے امید ہے کہ تمہیں ان کے جواب سے تسلی ہو جائے گی۔دیکھو! تمہاری جستجو میں میں کہاں کہاں گھومتی رہی۔کس کس شہر کی میں نے خاک نہیں چھانی، مگر میں نے تم کو نہیں پایا۔یہ بڑے مولوی صاحب کی طرف رجوع کرنے اور ان کی نشان دہی فرمانے کی برکت ہی تو ہے کہ اس مرتبہ میں نے تم کو اس شہر میں پا لیا۔تم میرے ساتھ چلو، ان کی خدمت میں حاضری دو، اپنے شکوک و شبہات کو پیش کرو، امید ہے کہ ان کے جواب سے تمہارے دل میں روشنی پیدا ہو گی اور اگر تمہاری تسلی و تشفی نہیں ہو گی، تم پھر

31

یہاں آنا چاہو گی تو تمہیں اختیار ہے۔تمہارے فلاں فلاں رشتہ داران بہت پریشان ہیں، ان سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔آخر کار سمجھانے بجھانے سے وہ لڑکی ماں کے ساتھ آنے پر راضی ہو گئی۔ بریلی شریف پہنچ کر سکون حاصل کرنے کے بعد وہ دونوں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔پھر کچھ عرض کرنے کے بعد ان دونوں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوال پیش کیا۔

سوال: مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش صرف ماں سے ہے، جن کا نام مریم رضی اللہ عنہا ہے اور ان کا کوئی باپ نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی ماں مریم اور باپ اللہ تعالیٰ ہے۔عیسائیوں کا عقیدہ عقل کے موافق ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ عقل کے خلاف ہے، لہٰذا غلط ہے (معاذ اللہ) کسی انسان کی بغیر باپ کے تخلیق ناممکن ہے اور اگر ممکن مان بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب کی تخلیق تو اللہ تعالیٰ ماں باپ کے ذریعہ کرتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش صرف ماں کے ذریعہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس اعتراض کی بنا پر میں مذہب عیسائیت پر پختگی کے ساتھ قائم ہوں، میری سمجھ میں اس کا کوئی معقول جواب نہیں آتا۔ اگر حضور والا اس کا جواب شافی عطا فرمائیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔

جواب: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بغیر باپ کے کسی انسان کا پیدا فرمانا عادتِ الٰہیہ کے خلاف ہے، عقل کے خلاف نہیں ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بغیر ماں باپ کے ہوئی ہے، اس کو عیسائی بھی مانتے ہیں، حالاں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق سے یہ عادتاً زیادہ مستبعد ہے، کہ یہاں ماں تو ہے اور وہاں ماں باپ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ جو شے عادتاً زیادہ مستبعد ہو اس کو تسلیم کر لینا اور جو کم مستبعد ہو اس کو خلاف عقل اور ناممکن کہہ کر انکار کر دینا یہ خود قابلِ اعتراض بات ہے۔

حکمت

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوابی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیے جانے میں جو حکمت ہے وہ اس وقت بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے جب کہ تخلیق انسانی کی تمام قسموں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔لہٰذا پہلے ان قسموں کو سنو۔تخلیقِ انسانی کی عقلاً صرف چار قسمیں ہیں۔

۱﴾ پہلی قسم یہ ہے کہ جانب مذکر اور جانبِ مؤنث میں سے کوئی نہ ہو، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ

انسان کو پیدا فرما دے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ صرف جانبِ مذکر ہو جانبِ مؤنث نہ ہو۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ ان کی تخلیق میں مذکر کا جز و شامل ہے نہ کہ مؤنث کا۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ صرف جانب مؤنث ہو جانب مذکر نہ ہو۔اس طرح حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ مذکر و مؤنث دونوں سے انسان کی تخلیق ہو۔عام انسان کی تخلیق اسی صورت سے ہوتی ہے۔

اب حکمت سمجھتے ہیں! دنیا قدرتِ الٰہی کا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان چاروں صورتوں سے انسان کو پیدا فرما کر اپنی قدرت تخلیق کو ظاہر فرمایا ہے۔تو اگر کسی کو بھی بغیر باپ کے (صرف ماں سے) پیدا نہ فرماتا تو تخلیق انسانی کی تیسری صورت کا اظہار نہ ہوتا لہٰذا قادرِ مطلق جل وعلا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح پیدا فرما کر اپنی قدرت کا بھی اظہار فرما دیا۔

استاذی حضرت مولانا حسنین رضا خاں قبلہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے اچھے پیرائے میں اس وقت یہ تقریر کی تھی کہ اس عیسائیہ عورت کا تاریک دل روشن ہو گیا، حتیٰ کہ عیسائیت سے توبہ کر کے وہ داخل اسلام ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلك

❁❁❁❁❁

اعتذار:

دسمبر ۲۰۱۰ء کے شمارے کی بعض کاپیوں میں بائنڈر کی کوتاہی سے کسی اور کتاب کی کاپی لگ گئی، ہر چند کہ یہ بائنڈر کی غلطی ہے، تاہم ادارہ اس پر معذرت خواہ ہے---جن احباب کو غیر متعلقہ صفحات والا پرچہ ملا ہو، براہ کرم وہ اسے واپس کر کے درست صفحات والا پرچہ حاصل کر لیں---[ادارہ]

نامحرم کو محرم بنانے کا نسخہ:

اکتوبر ۲۰۱۰ء کے شمارہ میں ''نامحرم کو محرم بنانے'' کے حوالے سے سعودی مفتی کا فتویٰ شائع ہوا تھا، جس کا حوالہ نامکمل رہ گیا تھا---یہ فتویٰ پاکستان سے شائع ہونے والے روزنامہ صحافت میں نہیں، بلکہ انڈیا کے شہر لکھنؤ سے شائع ہونے والے روزنامہ صحافت، ۲/جولائی ۲۰۱۰ء، صفحہ ۶ میں چھپا تھا، خبر کا اصل متن انٹرنیٹ سے دیکھا جا سکتا ہے۔http://www.sahafat.in/archive_index.html

❁❁❁❁❁

سفرنامہ

منزلیں

عقیل احمد پی ایچ ڈی سکالر

کہا جاتا ہے کہ سفر وسیلۂ ظفر ہے۔اس محاورے میں کتنی صداقت ہے، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں سفر ضرور کرتا ہے، چاہے اس کی نوعیت اور غایت کچھ بھی ہو۔مقصدیت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو سفر کی چند اقسام سامنے آتی ہیں، جن میں مذہبی اسفار، سماجی اسفار اور سیاسی اسفار سرِفہرست ہیں۔

بہر کیف کسی بھی نیک مقصد کے لیے سفر کرنا ایک جائز اور مستحسن امر ہے۔جولائی ۲۰۱۰ء میں راقم الحروف کو ایک عشرے کی غرض وغایت تحقیق و تبلیغ تھی۔اس طرح یہ ایک مذہبی سفر تھا۔میں اور میرے برادر اصغر جناب خلیل احمد شیخ ۷/جولائی، بروز بدھ، دن بارہ بجے کی پرواز سے بذریعہ ایمرٹس ایئر لائن دبئی روانہ ہوئے، جو دبئی کی سرکاری ایئر لائن ہے۔دو گھنٹے میں کراچی سے دبئی پہنچے۔ دورانِ سفر مشہور مؤرخ و محقق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب ''برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ'' زیرِ مطالعہ رہی۔دبئی ایئر پورٹ پر تقریباً ایک گھنٹہ امیگریشن کے معاملات میں لگا، اس سے فارغ ہو کر باہر آئے تو میرے عزیز جناب سلیم صاحب ہمیں لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔بڑی محبت سے ملے۔ سلیم صاحب اور ان کا خاندان تین دہائیوں سے وہاں رہ رہا ہے اور ان کا بزنس دبئی اور شارجہ میں ہے۔

ان کے گھر شارجہ میں گئے۔راستے میں امارات ہی کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ان کے گھر پہنچے تو تمام اہل خانہ تپاک سے ملے۔کھانے کے بعد دوبارہ بر دبئی آئے، جہاں ہماری رہائش کا انتظام ایسٹوریا ہوٹل کے قریب ہی جناب سلیم صاحب نے کیا ہوا تھا۔پہلا دن ملنے ملانے میں گزر گیا، اگلے دن بروز جمعرات، ۸/جولائی، معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رات تھی اور یہ دن وہاں کے سنی حلقے

بہت ذوق وشوق سے مناتے ہیں۔اس ناچیز کو دبئی میں مقیم فخرِ اہل سنت جناب مفتی محمد عباس رضوی نے معراج النبی ﷺ کانفرنس، منعقدہ جامع مسجد فیضان مدینہ سونا پور لیبر کیمپ میں مدعو کیا ہوا تھا، جو بعد نمازِ عشاء تھی۔ مفتی عباس رضوی صاحب ایک عرصے سے وہاں محکمۂ اوقاف میں ہیں اور بڑے ہی مخلص اور راسخ العلم ہیں۔ مفتی صاحب کے حکم کے مطابق ہم بعد نمازِ عشاء وہاں پہنچے، وہاں انتظامیہ میں سے جناب مہربان صاحب اور جناب قاری صداقت صاحب نے بڑی محبت سے خوش آمدید کہا۔ حاضرین کی ایک بڑی تعداد مسجد اور مسجد کے باہر تک موجود تھی۔ لوگوں نے بھی اپنائیت کا مظاہرہ کیا، کھڑے ہو کر نعرے بلند کیے، وہاں ایک نیا نعرہ سننے کو ملا جو یہ تھا، عشق ومحبت، عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت۔ کیوں کہ ہم اہل سنت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کا خصوصی روحانی فیضان ہے، اس لیے وہاں کے لوگ یونہی نعرے لگاتے ہیں۔ اس کانفرنس میں پاکستان، انڈیا اور بنگلہ دیش کے لوگ موجود تھے۔ اس خاکسار کا بیان ہو رہا تھا کہ مفتی عباس رضوی بھی تشریف لے آئے، تو وہاں موجود لوگوں نے مزید ذوق وشوق سے نعرے لگائے، طبیعت سرشار ہوگئی اور دورانِ تقریر ہی یہ خیال آیا کہ بریلی سے دبئی کا فاصلہ بہت ہے لیکن اس عظیم رات میں لوگ اس عاشقِ صادق اور نبی کریم ﷺ کے سچے غلام امام احمد رضا خاں سے کتنی محبت کرتے ہیں، جن کے شاید باپ دادا نے بھی امام احمد رضا کو نہ دیکھا ہو، لیکن وہ سب جانتے ہیں کہ سیدی اعلیٰ حضرت نے محبت رسول ﷺ ہی کا درس دیا ہے، اس لیے تو وہ عشق ومحبت اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگا رہے ہیں۔

اسے حسن اتفاق کہہ لیجیے یا اعلیٰ حضرت کا روحانی تصرف کہ معراج کے موضوع پر اعلیٰ حضرت کے اشعار سے راقم نے اور جناب مفتی صاحب نے اپنی اپنی تقریر کو مزین کیا۔ تقاریر کے بعد صلوٰۃ وسلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھا گیا، پھر دعا ہوئی، اس کے بعد لنگر کھلایا گیا، جہاں موجود قاری صداقت صاحب نے اگلے روز جمعہ کی تقریر کا وعدہ لیا اور سواری بھیجنے کا بھی کہہ دیا۔

جامع مسجد فیضان مدینہ سے مفتی عباس رضوی صاحب کے ساتھ دعوت اسلامی کے پروگرام میں آئے، جہاں پر آنے کا حکم جناب عرفان موسیٰ صاحب نے دیا تھا۔ بہت عظیم الشان پروگرام تھا، جو پاکستان سنٹر میں منعقد تھا۔ تھوڑی دیر وہاں شرکت کرنے کے بعد مفتی صاحب سے اجازت لے کر اور دعوت اسلامی کے احباب سے مل کر واپس اپنی رہائش پر آ گئے، جہاں ہمیں جناب محمد اکرم صاحب جو ۱۹۷۶ء سے وہاں مقیم ہیں اور الراس (مارکیٹ) دیرہ دبئی میں چاول کا کاروبار کرتے ہیں، نے ڈراپ کیا۔ جمعہ کے دن صبح دس بجے ہی جناب ندیم صاحب خور فکان (الفجیرہ) سے اور جناب جیلانی صاحب شارجہ سے ملنے آئے اور ساتھ چلنے کو کہا۔ ہم نے جمعہ کی تقریر کی وجہ سے معذرت کر لی۔ ٹھیک پونے بارہ بجے جناب قاری صداقت صاحب اور عاطف صاحب لینے آئے۔

ساڑھے بارہ بجے جامع مسجد فیضان مدینہ پہنچے اور جاتے ہی تقریر شروع ہوگئی۔ یہاں پر اس گناہ گار نے ''اھدنا صراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم'' پر گفتگو کی۔ جمعہ کے بعد لوگ بڑی محبت سے ملے، جس میں آستانہ عالیہ شرق پور شریف کے مریدین بھی تھے۔ ہفتہ کے دن دبئی ہی میں وقت گزرا، جس میں دبئی کا مشہور میوزیم بھی دیکھا، جہاں مختلف کمروں میں اونٹ اور گھوڑے کے بارے میں بہت معلوماتی پوسٹر آویزاں تھے، اس کے علاوہ عربی تہذیب وثقافت کے حوالے سے دیگر معلومات بھی تھیں۔

میوزیم کے ساتھ ہی بیت الشیخ سعید آل مکتوم ہے، وہ بھی میوزم ہی ہے، جہاں دو درہم کا ٹکٹ لے کر جانا پڑتا ہے۔ اس میوزیم میں کسی زمانے میں الشیخ سعید بن مکتوم حاکم دبئی رہا کرتے تھے، جو ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۱۲ء میں حاکم بنے اور ۱۹۵۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔ الشیخ سعید کے اس گھر کو اب میوزیم بنا دیا گیا ہے، لیکن نام اس کا بیت الشیخ سعید آلِ مکتوم ہی ہے۔ اس بیت میں داخل ہوئے تو پہلے ہی کمرے میں عربی کا یہ شعر ایک پتھر پر کندہ ہے:

الا یا دار لا یدخلك حزنا

و لا یغدر بصاحبك الزمان

اس شعر کے نیچے انگلش میں لکھا ہوا ہے:

O hosue let no grieve enter you, and let not the time betray your owner.---

اس میوزیم میں درمیان میں صحن ہے اور اطراف میں کمرے ہیں۔ کسی کمرے میں تصاویر ہیں تو کسی میں اس دور کی روزمرہ استعمال کی اشیاء ہیں، کسی میں اس دور کی ڈاک ٹکٹ ہیں تو کسی میں اس دور کے ظروف ہیں۔ کہیں مختلف لوگ مختلف کام سرانجام دیتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ایک کمرے میں جہاں تاریخی تصاویر لگی ہوئی ہیں، ایک تصویر جس میں دونوں اطراف لوگ بیٹھ کر بڑے شوق سے کچھ گا رہے ہیں، درمیان میں ایک طرف ایک بزرگ بیٹھے ہوئے جیسے صدارت کر رہے ہوں، اس تصویر کے نیچے یہ عبارت انگلش میں لکھی ہوئی ہے۔

''المالد''

The Malad

Prophet M. PBUH Birthday

Celebration

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے یوم پیدائش پر لوگ خوشی منا رہے ہیں۔

پاک وہند کے وہابی حضرات جو یہاں کے سچے مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میلاد النبی ﷺ کی ''بدعت'' صرف ہندوستان میں رائج ہے، وہ غور کریں کہ جس کو یہ بدعت کہتے ہیں وہ عربوں میں بھی رائج رہی ہے۔

اس کے علاوہ ہفتہ کے دن کچھ اور دوستوں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں، اتوار کے دن ہمیں ابوظہبی روانہ ہونا تھا، جہاں ہمارے عزیز دوست جناب مفتی حافظ محمد عارف گولڑوی، مہتمم ادارہ فیضانِ اہل سنت نے دو مقامات پر راقم کے لیے تقاریر کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اتوار کو عصر کے بعد ابوظہبی کے لیے روانہ ہوئے اور دو گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ بس ٹرمینل پر مفتی صاحب کے ایک دوست ہمیں لے کر مفتی صاحب کے ادارے پہنچے۔ مفتی صاحب دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر مفتی صاحب کے ادارے میں قیام کے بعد المصفح جو ابوظہبی کا انڈسٹریل اسٹیٹ ہے، وہاں میگا سٹار کمپنی کے اندر جامع نوری مسجد کے لیے روانہ ہوئے، وہاں کے مہتمم جناب علامہ محمد ریاض تھے۔ عشاء کی نماز ہو چکی تھی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہاں کے لوگ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شیدائی ہیں، اس لیے آپ نے اپنی گفتگو میں اعلیٰ حضرت کا خصوصی ذکر کرنا ہے۔ دبئ، ابوظہبی وغیرہ میں راقم نے یہ بات خاص طور پر دیکھی کہ تمام مذہبی نوعیت کے پروگرام عشاء کی نماز کے فوری بعد شروع ہو جاتے ہیں اور دو ڈھائی گھنٹے میں ختم بھی ہو جاتے ہیں، کیوں کہ صبح بروقت لوگوں نے اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہوتا ہے۔

اس مسجد میں بھی تلاوت اور چند نعتوں کے بعد اس ناچیز کا اعلان کیا گیا۔ بحمدہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت کے خصوصی فیضان کی بدولت اپنی تقریر میں اعلیٰ حضرت پر قبر پرستی اور مزارات کے حوالے سے لغو اعتراضات کرنے والوں کا دلائل کے ساتھ رد کیا، جس کو حاضرین نے خوب سراہا۔ پروگرام کا اختتام صلوٰۃ و سلام پر ہوا۔ بعد میں علامہ ریاض صاحب نے اپنی لائبریری دکھائی، جس میں اعلیٰ حضرت اور دیگر اکابرین کی تصانیف کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ علامہ ریاض صاحب برصغیر پاک وہند کے جید علماء کی تقاریر کی آڈیو کیسٹس تیار کرواتے رہتے ہیں، جو وہاں کے سنی حلقے ذوق وشوق سے حاصل کرتے ہیں۔ علامہ ریاض صاحب نے بتایا کہ سب سے زیادہ مانگ خطیب اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی کی تقاریر کی ہوتی ہے، بلکہ علامہ اوکاڑوی کی تقاریر کے ساتھ ساتھ ان کی تصانیف بھی نہایت مقبول ہیں، جو جیسے ہی آتی ہیں، ہاتھوں ہاتھ فوراً ہی بک جاتی ہیں۔

بہت خوشی ہو رہی تھی کہ وطن سے دور ایسے احباب موجود ہیں جو فکر رضا کو فروغ دینے کے لیے شب و روز کام کر رہے ہیں۔ یہاں سے واپسی پر مفتی صاحب مطعم آمنہ العرب جو ایک ریسٹورنٹ ہے، وہاں لائے، یہ ریسٹورنٹ ایک پاکستانی سنی بزرگ جناب حاجی صوفی محمد عرب صاحب کا ہے، جو

پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے ایک علاقہ ایوبیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ جناب صوفی عرب صاحب ان دنوں پاکستان آئے ہوئے تھے، ان کے صاحبزادے بڑی محبت سے ملے، نہایت پر تکلف کھانا کھلایا۔ کھانے کے دوران صالحین کا تذکرہ بھی ہوتا رہا اور اس خاکسار کی آنکھیں کئی بار اشک بار بھی ہوئیں کہ یہ ان اللہ والوں کے نام ہی کی برکت ہے کہ جن کا نام لے کر آج ہم ہر طرح سے مزے کر رہے ہیں۔ یہاں سے ادارہ فیضان اہل سنت پہنچے تو ڈھائی بج رہے تھے، اگلے دن جو پروگرام تھا، اس کے کچھ ضروری نکات تیار کیے اور سو گئے۔ صبح فجر کی نماز مفتی صاحب کے پیچھے ادا کی اور تھوڑی دیر کے لیے پھر آرام کیا۔ صبح دس بجے جناب حاجی عبداللطیف قادری صاحب کو ملنے گئے، جو وہاں بہت بڑے ٹرانسپورٹر ہیں اور ابوظہبی میں علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کے دورہ ۱۹۸۱ء میں میزبانوں میں سے تھے۔ مفتی صاحب نے قادری صاحب کو آنے کا مقصد بتایا، جناب عبداللطیف قادری صاحب علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کا ذکر سن کر بہت مسرور ہوئے، بلکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے آبدیدہ ہو گئے ہیں۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ علامہ اوکاڑوی کی یادیں ہمارے شامل حال رہیں۔ جناب عبداللطیف قادری صاحب نے بتایا کہ ہم نے باقاعدہ محکمہ اوقاف سے اجازت لے کر سرکاری مساجد میں علامہ اوکاڑوی کے خطاب کروائے، جس میں مسجد درویش، مسجد کبیر سرفہرست تھیں اور اس وقت علامہ اوکاڑوی کے خطابات سننے کے لیے لوگوں کا اتنا زیادہ رش ہوا جو بعد میں دیکھنے کو نہیں ملا۔ جناب عبداللطیف قادری صاحب نے بتایا کہ علامہ اوکاڑوی جتنا عرصہ یہاں رہے، مسلسل یہ کہتے رہے کہ یہاں کوئی ایک ایسا مرکز ہونا چاہیے جو فروغ سنّیت کے لیے کام کرے اور سنیوں کا ترجمان بھی ہو۔ قادری صاحب نے بتایا کہ علامہ اوکاڑوی کے چلے جانے کے بعد چند دردمند سنیوں نے اس معاملے پر سوچا، پختہ ارادہ کیا کہ ایک مرکز بنا کر رہیں گے۔ چناں چہ ۱۹۸۲ء میں مرکز اہل سنت ابوظہبی کا قیام عمل میں آیا اور اس مرکز نے سنّیت کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں اور اب تک فروغ سنّیت اور فکر رضا کے فروغ میں کام کر رہا ہے۔ ۱۹۸۲ء سے اب تک پاک وہند کے تمام اکابر واصاغر علماء بار بار تشریف لا چکے ہیں اور اب یہ مرکز ابوظہبی میں حقیقی معنوں میں سنیت کی پہچان بن گیا ہے اور اس ادارے میں ہونے والی کانفرنسز اور سیمینارز اپنی مثال آپ ہیں۔ دوپہر کے وقت ہم لوگ واپس مفتی صاحب کے ادارے فیضان اہل سنت میں آ گئے۔ مفتی صاحب نے کافی لوگوں کو اس گناہ گار کے بارے میں بتایا ہوا تھا۔ ظہر سے عصر تک کافی لوگ ملنے آئے، جن میں خان محمد صاحب جہلم والے، جناب وکیل صاحب آزاد کشمیر والے، جناب مطلوب حسین صاحب اور دیگر احباب آئے۔ پاکستان، متحدہ عرب امارات اور عالم اسلام کے حوالے سے کافی گفتگو ہوئی، جس میں زیادہ تر بات علمائے اہل سنت کی مساعی

اور سنیت کے حوالے سے خوب باتیں ہوئیں۔

نمازِ عصر کے بعد جامع الشیخ زید الکبیر جانے کا پروگرام تھا، وہاں سے مغرب کے بعد پھر جلسہ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد مفتی صاحب کے دوست جن کو وہ حاجی صاحب کہہ کر بلاتے ہیں، اپنی گاڑی لے کر آ گئے۔ ہم لوگ روانہ ہوئے، جب جامع الشیخ زید الکبیر پہنچے تو نماز مغرب ادا ہو رہی تھی۔ اس مسجد کو نہ صرف متحدہ عرب امارات بلکہ دنیا کی حسین ترین مساجد میں شمار کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ مسجد سے ملحقہ ایک پارک جو ابھی زیر تعمیر ہے، بہت وسیع ہے، اس مسجد کو دیکھنے کی خواہش ہر اس فرد کو ہوتی ہے جو ابوظہبی آتا ہے۔ ہم نے نمازِ مغرب وہاں ادا کی، مسجد کی دیواروں پر خوب صورت نقش و نگار اور وہاں منقش اسمائے حسنیٰ، خطیب صاحب کا منبر، دبیز قالین، ٹھنڈے جدید اور نفیس ماربل کے فرش، حکمرانوں کے ذوق سلیم کا احساس دلا رہے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ وہاں دیگر مذاہب کے لوگ بھی اپنے ذوق جمالیات کی تسکین کے لیے مسجد کی سیر کے لیے آتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مسجد عبادت سے زیادہ سیاحت کا کام دے رہی ہے۔ مسجد کے طرف امارات کے سابق امیر شیخ زید بن سلطان النہیان کا مقبرہ ہے، جو ماربل کا بنا ہوا ہے اور اس پر کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ مقبرے کے تین اطراف ماربل کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ایک طرف کمرہ بنا ہوا ہے، جہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی قاری صاحب بیٹھ کر تلاوت قرآن کرتے رہتے ہیں۔ تلاوت قرآن کا یہ سلسلہ چوبیس گھنٹے جاری و ساری رہتا ہے۔ کسی عام آدمی کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ سیاح جالیوں ہی سے امارات کے اس عظیم سلطان کے مقبرے کے درشن کر لیتے ہیں۔ امارات کے حکمران مسلکاً وہابی ہیں، اس لیے شیخ زید کے مقبرے پر مسلسل قرآن خوانی کی ''بدعت'' سے ہمیں تعجب ہوا۔ شیخ زید کے بارے میں وہاں موجود پاکستان کمیونٹی نے بتایا کہ یہ سلطان پاکستانیوں کے لیے بہت اچھے جذبات رکھتا تھا۔ اس بات کی صداقت کا اظہار پاکستان میں موجود تعلیمی سنٹرز اور صحت کے مراکز سے ہوتا ہے کہ وہ سلطان واقعی پاکستانیوں کا ہمدرد تھا۔ اس کے علاوہ شیخ صاحب کے متعلق یہ بھی پتہ چلا کہ موصوف نے ۱۲ربیع الاوّل کی سرکاری چھٹی منظور کی تھی اور اس روز وہاں چراغاں بھی ہوتا ہے اور محافل کا انعقاد بھی ہوتا ہے۔ شیخ صاحب کو اس ''بدعت'' سے روکنے کے لیے سعودی حکومت نے دباؤ بھی ڈالا لیکن شیخ صاحب نے ان کی اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ یہ شاید میلاد النبی ﷺ پر اظہار عقیدت کی وجہ ہے کہ سلطان کی قبر پر مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہتی ہے اور لوگ اس کو اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ المصفح میں منجرہ الشرق العرب جو کہ ایک فیکٹری ہے، وہاں آئے، اس کی اندر مسجد میں ہمارا پروگرام تھا۔ یہاں مفتی حافظ محمد عارف گولڑوی کی اقتداء میں نمازِ عشاء ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد تلاوت اور پھر نعت خوانی ہوئی، جس میں

پنجابی کلام بھی پڑھا گیا۔ چند منٹ مفتی صاحب نے بھی خطاب کیا اور بڑے خوب صورت انداز میں اس احقر کو دعوت خطاب دی۔ یہاں پر اولیاء، ان کی سنگت کے فوائد اور منکرین کے رد پر گفتگو کی۔ سامعین انتہائی باذوق تھے، خوب محفل جمی، تقریر کے بعد سلام اور نہایت رقت آمیز دعا ہوئی۔

بروز منگل دن کے وقت دبئ کے لیے روانہ ہوئے۔ عصر کے وقت دبئ پہنچے، جہاں محترم عاطف صاحب جو سنی اہل علم حضرات سے بڑی محبت کرتے ہیں، گاڑی لے کر آ گئے، ان کے ساتھ شارجہ روانہ ہوئے، جہاں سعید احمد خان صاحب سے ملاقات تھی، جو پہلے ہی سے طے تھی۔ سعید خان صاحب ایک نہایت متقی اور باشرع انسان ہیں۔ ان سے ایک نجی میٹنگ تھی، لیکن ان کے گھر میں سنی اکابر کی کتب سے بھرپور ایک لائبریری دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ بدھ کے دن بھی کافی احباب سے ملاقاتیں ہوئیں، دن کے وقت دیرہ دبئ میں الراس مارکیٹ آئے، جو مختلف اجناس بالخصوص چاول کی بہت بڑی انٹرنیشنل مارکیٹ ہے، یہاں پر جامع مسجد العظیم دیکھی، جہاں علامہ محمد شفیع اوکاڑوی نے ۱۹۸۱ء میں جماعت اہل سنت کی بنیاد رکھی تھی۔ اس وقت اس مسجد کے امام و نگران جناب قاری غلام رسول صاحب تھے، جو ان دنوں مغل پورہ لاہور میں ایک دینی ادارہ چلا رہے ہیں اور علامہ اوکاڑوی کے دورۂ امارات، دبئ میں علامہ اوکاڑوی کے میزبانوں میں شامل تھے۔

جمعرات کو ہمارے ایک دوست ندیم صاحب جو خورفکان پورٹ پر ایک شپنگ کمپنی میں ہوتے ہیں، انہوں نے گاڑی بھیج دی کہ آج آپ کو ساحل سمندر کی سیر کرواتے ہیں۔ ظہر کے بعد نکلے، دبئ سے اپنی سواری میں تقریباً دو گھنٹے کا راستہ ہے۔ خورفکان فجیرہ کے بالکل ساتھ ہے۔ فجیرہ بھی یو اے ای کی ایک ریاست ہے۔ خورفکان بہت خوب صورت علاقہ ہے۔ جمعہ کو امارات میں چھٹی ہوتی ہے، اس لیے کافی سیاح لطف اندوز ہونے کے لیے شام ہوتے ہی آنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہمیں چوں کہ الراشدیہ دبئ میں حاجی منظور صاحب کے ہاں ایک پروگرام میں شرکت کرنی تھی، اس لیے مغرب کے فوری بعد ہی وہاں سے روانہ ہوئے، گو کہ احباب ناراض ہو رہے تھے، لیکن ان سے منت سماجت کر کے وہاں سے نکل آئے۔ ڈھائی گھنٹے میں شارجہ پہنچے، وہاں ہمارے عزیز جناب سلیم صاحب موجود تھے، انہوں نے ہمیں الراشدیہ دبئ میں جناب حاجی منظور صاحب کے ہاں ڈراپ کیا، وہاں بھی اسی خاکسار کا خصوصی خطاب تھا۔ حاجی منظور صاحب گزشتہ تین دہائیوں سے امارات میں مقیم ہیں اور ''ہارونی دربار'' کے نام سے ایک ہوٹل چلا رہے ہیں۔ پاکستان سے آنے والے اہل علم و دانش کے بڑے قدردان ہیں۔ اکثر پاکستانی اکابر، علماء بھی ان کے ہاں قیام ہی کرتے ہیں۔ وہاں محفل میں کافی لوگ موجود تھے اور پروگرام کی ویڈیو فلم بھی بن رہی تھی۔

حاجی صاحب نے خود بڑی اپنائیت سے اس گناہ گار کا تعارف کروایا اور دعوت خطاب دی۔

رات کے پورے بارہ بج چکے تھے، بفضل ربی یہاں پر بھی رفاقت اولیاء ہی پر گفتگو کی۔ (یو اے ای میں اکثر مقامات پر اپنی تقاریر میں سنگتِ اولیاء اور مقامِ اولیاء پر اس لیے تقاریر کیں کہ پاکستان میں کچھ شقی القلب اور ازلی بدبختوں نے داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کی بے حرمتی کرتے ہوئے وہاں بم دھماکے کیے) بعدازاں سلام اور اس کے بعد اس احقر سے ہی انہوں نے دعا کروائی۔ کھانے کے بعد چند احباب رہ گئے تو پھر فروغ سنیت اور علمائے اہل سنت کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہی۔ حاجی صاحب نے بتایا کہ دبئی میں محکمۂ اوقاف کے مدیر جناب عیسیٰ مانع بارہا یہ کہتے کہ میرا مسلک وہی ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا مسلک ہے، لیکن ساتھ ہی حاجی صاحب نے یہ گلہ بھی کیا کہ ہمارے علمائے کرام جناب عیسیٰ مانع صاحب سے امارات میں فروغ فکر رضا کے حوالے سے کوئی خاص کام نہ لے سکے۔ حاجی منظور صاحب ہی نے یہ بتایا کہ ۱۹۸۱ء میں علامہ محمد شفیع اوکاڑوی نے الراس مارکیٹ میں جامع مسجد العظیم میں جماعت اہل سنت کی بنیاد رکھی اور اس وقت دبئی میں علامہ اوکاڑوی کے اس قدر بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور ان میں اتنی کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی کہ دیگر مسالک کے لوگوں نے یہ کہا کہ ''اس شخص'' نے ہماری مسجدیں خالی کر دی ہیں۔ حاجی صاحب نے مزید بتایا کہ علامہ اوکاڑوی یہاں سنیوں کو متحد کر گئے اور یہی وجہ ہے کہ آج یہاں بے شمار مقامات سے ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی صدائے دل نواز سماعتوں کے گوش گزار ہوتی ہے۔ حاجی منظور صاحب کا دولت کدہ دبئی میں ایک طرح سے مرکز اہل سنت ہے، جہاں سے سنی لٹریچر اور اہل علم و دانش کی تقاریر کی ترسیل کے ساتھ ساتھ محافل کا انعقاد بھی ہوتا رہتا ہے، اللہ ان کو شاد و آباد رکھے۔ رات گئے جب وہاں سے رخصت لی تو کچھ احباب نے یہاں پر بھی پروگرام کے لیے وقت لینا چاہا لیکن وقت کی کمی نے معذرت پر مجبور کیا۔ اگلے دن جمعہ کے روز آرام کیا اور گھر والوں کے لیے کچھ خریداری کی۔ دوستوں سے الوداعی ملاقاتیں کیں اور ہفتہ کی صبح آٹھ بجے ایمرٹس ایئرلائن کی پرواز سے اس پاک سرزمین کی طرف روانہ ہوئے جس کے سینے میں ہمارے وہ اسلاف آسودۂ خاک ہیں جن کی لازوال قربانیوں اور بے نظیر جرأتوں کی بدولت ہی یہ ارضِ مقدس ہمیں نصیب ہوئی اور جب ہمارا طیارہ ان پاک فضاؤں میں داخل ہوا کہ جس کا نام دشمن بھی لیتے ہیں تو ان کے منہ سے بھی پہلے ''پاک'' ہی نکلتا ہے، تو دل وطن کی محبت سے فرطِ عقیدت سے جھوم اٹھا اور یہ خیال آیا کہ جہاں کہیں بھی بندہ چلا جائے جتنی بھی نعمتیں اور راحتیں اس کے سنگ رہیں لیکن اپنے وطن کی مٹی کی مہک میں وہ کشش ہوتی ہے جو اس کو اپنی آغوشِ محبت میں سمونے کے لیے بے تاب ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے دھرتی کو ''ماں'' بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ سوہنی دھرتی کو آباد رکھے۔ آمین

تبصرہ کتب

(تبصرہ کے لیے کتاب کے دو نسخے بھجوانا ضروری ہیں)

عقیدۂ ختم نبوت

انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی نے اولاً عیسائیوں کے خلاف مناظر اسلام کا روپ دھارا، پھر مصلح اور مجدد بن بیٹھا، بعدازاں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس دجال و کذاب کی خرافات کے رد میں سب سے پہلے اہل سنت و جماعت کے علماء نے قلم اٹھایا، جب کہ علماء اہل حدیث اور علماء دیوبند مصلحت کا شکار رہے۔

اللہ تعالیٰ مفتی محمد امین قادری پر کروڑوں رحمتیں نچھاور فرمائے، جنھوں نے عظیم کارنامہ انجام دیتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت پر علمائے اسلام کی تحقیقی کتب و رسائل کا یہ انسائی کلوپیڈیا مرتب فرمایا اور بھرپور جوانی ہی میں راہی ملک بقا ہو گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اس انسائی کلوپیڈیا کی گیارہ جلدیں منظر عام پر آ گئی ہیں، آغاز میں فاضل مرتب کا مقدمہ ہے، جس میں منکرین ختم نبوت کی تاریخ، فتنہ قادیانیت کا پس منظر، علمی و تحقیقی کاوشیں اور آئینی جدوجہد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، بعدازاں علمائے کرام کی تصانیف کو زمانہ تصانیف کی ترتیب سے شامل اشاعت کیا ہے اور ساتھ ہی مصنفین کے حالات بھی تحریر کر دیے ہیں، چناں چہ ان دس جلدوں میں علامہ مفتی غلام دستگیر قصوری دائم الحضوری، مولانا غلام رسول نقشبندی امرتسری، مولانا قاضی فضل احمد نقشبندی لدھیانوی، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت محدث بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، علامہ محمد حیدر اللہ خاں درانی حنفی، مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری میرٹھی، فاتح قادیانیت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، عارف باللہ مولانا محمد انوار اللہ حنفی حیدر آباد دکن اور شیخ طریقت حضرت مولانا محمد ضیاء الدین سیال شریف، علامہ قاضی غلام گیلانی حنفی، مولانا حافظ پیر ظہور شاہ قادری، مفتی غلام مرتضیٰ، علامہ ابوالحسنات قادری، مرتضیٰ احمد میکش، مولانا محمد کرم الدین دبیر، مفتی عبدالحفیظ حقانی، حضرت مولانا مفتی نظام الدین ملتانی، مولانا ظہور احمد بگوی، مولوی عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف آ گئی ہیں۔

غرض یہ انسائی کلوپیڈیا ختم نبوت کے موضوع پر ایک عظیم دستاویز ہے۔ اعلیٰ کاغذ، عمدہ طباعت، خوب صورت اور مضبوط جلد، ہر جلد اوسطاً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ادارہ تحفیظ عقائد اسلامیہ کے منتظمین مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے زر کثیر صرف کر کے اس عظیم انسائی کلوپیڈیا کی اشاعت کا بیڑا اٹھا کر عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ حال ہی میں اس اہم انسائی کلوپیڈیا کی گیارہویں جلد بھی بڑی آب و تاب کے ساتھ

شائع ہوئی ہے۔ یہ جلد صرف علامہ محمد عالم آسی امرتسری کی ضخیم تصنیف الکاویۃ عالی الغاویۃ کے حصہ اوّل پر مشتمل ہے، جو ۵۷۵ صفحات کی ہے، جس کا ہدیہ ۴۵۰ روپے ہے اور غالباً فی الحال یہی جلد دستیاب ہے۔

پتا: ادارہ لتحفیظ العقائد الاسلامیہ، آفس نمبر ۵، پلاٹ نمبر Z-111، عالم گیر روڈ کراچی

نبوت مصطفےٰ --- ہر آن ہر لحظہ

ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ وجہ تخلیق کائنات ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کے نور کو تخلیق کیا اور آپ کو نبوت و رسالت کے وصف سے متصف فرمایا۔ بعض عاقبت نااندیش اپنے زعم "علم" میں گمراہ کن نظریات کو فروغ دیتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ کو چالیس سال کے بعد نبوت ملی۔ پروفیسر محمد عرفان قادری لائق صد تبریک ہیں کہ انھوں نے اس فتنہ کے سد باب کے لیے نہایت عمدہ اسلوب میں زیر نظر کتاب تحریر کر کے مصطفیٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا حق ادا کیا ہے۔

آقا کریم ﷺ کے پیدائشی نبی ہونے پر یہ بے مثال تحقیقی کتاب شائع کرنے کا اعزاز فرید بک سٹال، لاہور نے حاصل کیا ہے۔ یہ ادارہ پہلے بھی متعدد وقیع اور قابل قدر کتب شائع کر کے اپنا نام پیدا کر چکا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اہل علم کے حلقہ میں بنظر استحسان دیکھی جائے گی۔

صفحات: ۱۶۰، طباعت و جلد عمدہ، ہدیہ: درج نہیں ہے، ملنے کا پتا: فرید بک سٹال، ۳۸/ اردو بازار لاہور

رسائل میلاد محبوب

محترم صلاح الدین سعیدی حفظہ اللہ ڈائریکٹر تاریخ اسلام فاؤنڈیشن لاہور اہل سنت کے ابھرتے ہوئے قلم کار ہیں، انھوں نے میلاد مصطفیٰ کے موضوع پر اب تک چار مجموعے مرتب کر کے شائع کیے ہیں:

① ......رسائل میلاد النبی ﷺ اس میں اعلیٰ حضرت، غزالی زماں، علامہ سید علوی مالکی اور پروفیسر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کے چودہ رسائل شامل ہیں۔

② ......رسائل میلاد الرسول ﷺ اس میں تیرہ رسائل شامل ہیں۔

③ ......رسائل میلاد حبیب ﷺ یہ گیارہ رسائل پر مشتمل ہے۔

④ ......جب کہ چوتھا زیر نظر مجموعہ چھ رسائل پر مشتمل ہے۔ آغاز میں پروفیسر عون محمد سعیدی کا وقیع مقدمہ ہے۔

ان رسائل میں شاہ احمد سعید فاروقی کی تصنیف سعید البیان فی مولد سید الانس و الجان، محدث الوری علامہ سید دیدار علی شاہ کی نہایت اہم اور مفید تصنیف رسول الکلام من کلام سید الانام فی بیان المولد و القیام اور دیگر علماء کی نگارشات ہیں۔

ان گراں قدر علمی رسائل کو شائع کرنے پر صلاح الدین سعیدی صد ہا مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں مزید علمی کام سرانجام دینے کی ہمت عطا فرمائے۔ اوسطاً ہر جلد پانچ صد صفحات پر مشتمل ہے۔

ہدیہ فی جلد ۳۰۰ روپے، ناشر: مکتبہ فیضان ختم نبوت، ڈھوڈہ تحصیل پسرور ضلع سیال کوٹ

رہنمائے زکوٰۃ
چھبیسویں قسط

زکوٰۃ کے مصارف (مستحقین)

پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری

⑦ فی سبیل اللہ

سورہ توبہ کی آیت ۶۰ میں جن آٹھ مصارف (مستحقینِ زکوٰۃ) کا بیان ہوا ہے، ان میں ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ سبیل کا لفظی مطلب راستہ ہے۔ فی سبیل اللہ کا مطلب ہوا کہ اللہ کی راہ میں لگے ہوئے لوگوں کا زکوٰۃ میں حصہ ہے۔ یعنی زکوٰۃ کے مستحق وہ لوگ بھی ہیں جو ایسے کام میں لگے ہوئے ہیں جس سے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے بظاہر، ہر وہ عمل جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت کی جاتی ہے، سبیل اللہ میں شمار ہو سکتا ہے، لیکن احادیث میں یہ لفظ جہاد کے معنیٰ میں اتنی کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے کہ تمام اہل علم کے نزدیک جب صرف سبیل اللہ کہا جائے تو اس سے مراد جہاد ہوتا ہے۔ گویا یہ لفظ کثرت استعمال کی وجہ سے اسی مفہوم میں محدود ہو کر رہ گیا ہے اور صحابہ کرام و تابعین، مفسرین و محدثین اور چاروں فقہی مکاتب فکر کے ائمہ مجتہدین نے سورہ توبہ کی درج بالا آیت میں

فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد لیا ہے۔ درج ذیل حدیث پاک اسی بات کی تائید کرتی ہے۔ حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ أَوْ غَارِمٍ أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَأَهْدٰى مِنْهَا لِغَنِيٍّ ---

[ابوداؤد، سنن، کتاب الزکوۃ، باب من یجوز لہ اخذ الصدقة و ھو غنی / ابن ماجہ، ابواب الزکوٰۃ، باب من تحل لہ الصدقة / موطا امام مالک، کتاب الزکوٰۃ، باب اخذ الصدقة و من یجوز لہ اخذھا]

''صدقہ صرف پانچ قسم کے اغنیاء (مال داروں) کے لیے حلال ہے:

1. صدقے کی وصولی پر مقرر کیے گئے شخص کے لیے
2. اس شخص کے لیے کہ جس نے اپنے مال کے بدلے میں صدقے کا مال خریدا
3. مقروض شخص کے لیے
4. اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے
5. کسی مسکین کو صدقہ دیا گیا اور اس نے اس میں سے کسی مال دار کو ہدیہ دے دیا'' ---

درج بالا حدیث پاک میں ''سبیل اللہ'' کے ساتھ لفظ ''غاز'' (مجاہد) کے اضافے نے ''سبیل اللہ'' کے مفہوم کو واضح اور متعین کر دیا کہ مستحقین زکوٰۃ کے ضمن میں اس سے مراد عسکری جہاد میں مصروف مجاہدین ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس حدیث پاک میں مال دار مجاہد کو بھی زکوٰۃ کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے، حالاں کہ مستحقین زکوٰۃ کے لیے فقیر ہونا شرط ہے، ماسوائے عاملین کے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مال دار مجاہد ہے، جو اگرچہ اپنے گھر میں رہائش پذیر ہوتے ہوئے صاحب نصاب ہے اور غنی ہے، مگر سامان جہاد نہیں رکھتا اور اب عزم جہاد کرنے سے سامان جہاد کی حاجت نے اسے محتاج بنا دیا ہے۔ مثلاً: کسی شخص کے پاس رہائش کا مکان، استعمال کا سامان اور پہننے کے لیے لباس موجود ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے برابر رقم بھی ہے، یہ شخص غنی اور مال دار ہے اور اسے زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔ لیکن جب یہی شخص جہاد کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے سفر جہاد کے اخراجات کے لیے رقم، اسلحہ، سواری اور

مددگار شخص کی ضرورت درپیش ہے، ان ضرورتوں نے اسے غنی سے محتاج بنا دیا ہے۔ لہٰذا جائز ہے کہ مال زکوٰۃ سے اس کی مدد و اعانت کی جائے تا کہ اس کی جہادی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ اس حدیث پاک میں غنی ہونے کے باوجود مقروض کو مستحق زکوٰۃ ٹھہرانے کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ ایک شخص قرض اٹھانے سے پہلے غنی تھا اور اپنی ضرورتوں کے لیے کسی کا محتاج نہیں تھا، قرض نے اسے غنی سے محتاج بنا دیا تو وہ بھی زکوٰۃ کا مستحق قرار پایا۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا:

1. سورہ توبہ کی آیت ۶۰ میں سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے اور مجاہد سے مراد عسکری جہاد میں مصروف لوگ ہیں۔
2. مجاہد زکوٰۃ کا مستحق اس وقت ہے جب وہ فقیر و محتاج ہے یعنی جہادی سامان نہیں رکھتا۔

حج ، فی سبیل اللہ میں شامل ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حج کو بھی سبیل اللہ میں شمار کیا ہے۔ کیوں کہ حدیث پاک میں حج کو سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا تو ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کرا دیں۔ اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں کہ جس پر میں تجھے حج کراؤں۔ بیوی نے کہا کہ فلاں اونٹ جو موجود ہے۔ خاوند نے کہا کہ وہ تو فی سبیل اللہ وقف ہے۔ پھر وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ میں اسے آپ کے ہم راہ حج کراؤں اور کہتی ہے کہ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کراؤ۔ میں نے اسے کہا ہے کہ میرے پاس کون سی سواری ہے کہ جس پر تجھے حج کراؤں؟ اس نے کہا ہے کہ فلاں اونٹ پر۔ میں نے کہا کہ وہ تو فی سبیل اللہ وقف ہو چکا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اسے اس اونٹ پر حج کرا دیتا تو وہ بھی فی سبیل اللہ ہی ہوتا۔

[ابوداؤد، سنن، کتاب المناسک، باب العمرة]

اس روایت میں جن صحابیہ کا ذکر ہوا ہے، ان کا نام ام معقل تھا۔ ان کی بیان کردہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اِنَّ الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ مِنْ سَبِيلِ اللّٰهِ --- [حاکم مستدرک، جلد ۱، صفحہ ۴۸۲]

یعنی ''حج اور عمرہ دونوں فی سبیل اللہ ہیں''---

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان ہوا ہے کہ:

أَنَّہٗ کَانَ لَا یَرٰی بَأْسًا أَنْ یُعْطِیَ الرَّجُل مِنْ زَکَاۃِ مَالِہٖ فِی الْحَجِّ وَ أَنْ یُعْتِقَ مِنْہُ الرَّقَبَۃَ---[ابن ابی شیبہ، جلد۴، صفحہ۴۱/ ابوعبید، کتاب الاموال، رقم ۱۷۸۴]

''وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ حج میں دے یا اس میں سے غلام آزاد کردے''---

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے کسی عورت کے متعلق دریافت کیا گیا، کہ اس نے تیس درہم اللہ کی راہ میں وقف کیے ہیں تو کیا وہ انہیں حج میں خرچ کرسکتی ہے؟ فرمایا:

''کیوں نہیں، بے شک حج اللہ کی راہ میں ہے''---

[ابوعبید، کتاب الاموال، رقم ۱۹۷۶/ فتح الباری، جلد۳، صفحہ۲۵۸]

ان روایات کی بنیاد پر حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کی مد سے ایسے حاجیوں کی مدد کی جاسکتی ہے جو سفر حج میں سامان سفر ختم ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے کٹ گئے ہوں۔

[بدائع الصنائع، جلد۲، صفحہ۴۶]

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر حج یا عمرہ کا ارادہ کرنے والا شخص فقیر اور محتاج ہو تو وہ روانہ ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ کے مال سے لے سکتا ہے۔

[الفقہ الاسلامی و ادلتہ، جلد۲، صفحہ۸۷۵]

اگرچہ بعض صحابہ کرام اور مجتہدین نے حج کو فی سبیل اللہ میں شامل سمجھا ہے، لیکن اہل علم کی اکثریت نے اس سے اتفاق نہیں کیا کہ فی سبیل اللہ میں شامل سمجھتے ہوئے کسی شخص کو زکوٰۃ کی رقم سے حج پر بھیجا جائے۔ البتہ حج پر گئے ہوئے محتاج حاجی کو بالاتفاق زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کیوں کہ اس حالت میں وہ مستحقین کی پہلی قسم ''الفقراء'' میں شامل ہوجاتا ہے۔ ابن ہمام لکھتے ہیں:

فَمُنْقَطِعُ الْحَاجِّ یُعْطٰی اِتِّفَاقًا---[فتح القدیر، جلد۲، صفحہ۲۰۵]

زکوٰۃ سے فلاحی تنظیموں اور مراکز اشاعت اسلام کا قیام

اس دور کا ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا فی سبیل اللہ کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے، عوام کے فلاحی منصوبوں پر اور اشاعت دین کے کاموں میں مال زکوٰۃ خرچ کیا جاسکتا ہے؟ مثلاً: ہسپتالوں کے قیام اور ان کے مستقل اخراجات کے لیے، لاوارث مردوں کی تکفین وتدفین، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کے لیے، اسی طرح مسجدوں کی تعمیر وترقی، دینی اداروں کی تعمیر اور اشاعت اسلام کے

مراکز کے قیام کے لیے، عسکری جہاد کے ساتھ ساتھ جہاد کی دیگر اقسام، جیسے دعوتی جہاد، قلمی جہاد، تعلیمی جہاد، فکری جہاد، سیاسی جہاد یا معاشی ومعاشرتی جہاد وغیرہ کے لیے، پھر ان امور خیر کی انجام دہی کے لیے قائم کی گئی تنظیموں کے دفتری اخراجات اور ان کے ملازمین کی تنخواہوں کے لیے۔

قدیم اہل علم وفقہ کے ہاں، فی سبیل اللہ کے مفہوم میں ایسی وسعت کی گنجائش دکھائی نہیں دیتی، جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ صرف امام ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے، جو چھٹی صدی ہجری میں فقہ حنفی کے عظیم فقیہ گزرے ہیں، لکھا ہے کہ:

أَمَّا قَوْلہ تَعَالٰی (و فی سَبِیلِ اللّٰہِ) عِبَارَۃٌ عن جَمِیعِ الْقُرَب فَیَدْخُلُ فیہ کُلُّ من سَعیٰ فی طَاعَۃِ اللّٰہِ تعالٰی وَ سَبِیلِ الْخَیْرَاتِ إذَا کان مُحْتَاجًا---

[بدائع الصنائع، جلد۲، صفحہ۴۵]

''اللہ تعالیٰ کے فرمان فی سبیل اللہ سے مراد تمام امور خیر ہیں، لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت میں اور امور خیر میں کوشاں ہو، شرط یہ ہے کہ وہ شخص محتاج ہو''---

اسی صدی کے ایک اور حنفی فقیہ ظہیر الدین نے فتاویٰ ظہیریہ میں طلبۂ علم کو بھی فی سبیل اللہ میں شمار کیا ہے۔ [البحر الرائق، جلد۲، صفحہ۲۴۲]

جدید اہل قلم میں سے بعض نے محدود امور میں اور بعض نے زیادہ وسعت دیتے ہوئے بہت سے امور میں فی سبیل اللہ کا اطلاق کیا ہے۔ اگرچہ جدید مفکرین کے نظریات عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی بنا پر بہت مفید اور دل کش معلوم ہوتے ہیں، تاہم اس سلسلے میں درج ذیل نکات پیش نظر رہنا ضروری ہے:

1. قرآن کریم نے مستحقین زکوٰۃ کو آٹھ اقسام میں محدود کردیا ہے اور اس کے بیان میں لفظ انما استعمال کیا ہے۔ عربی زبان کے اصول اور قاعدے کی رو سے اس لفظ کا تقاضا ہے کہ ان آٹھ اقسام کے علاوہ کوئی اور قسم ان میں داخل نہ ہو۔ اسی لیے اس شخص کو کہ جس نے حاضر خدمت ہوکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مال زکوٰۃ مانگا، فرمایا:

   صدقات کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے سپرد نہیں کی بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصارف مقرر فرمادیے ہیں، اگر تم ان میں شامل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں (ورنہ نہیں)۔ [ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی]

2. قرآن وسنت کے الفاظ کا وہی معنیٰ ومفہوم مراد لیا جانا چاہیے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے

اور جسے صحابہ کرام، تابعین، مفسرین ومحدثین اور ائمہ مجتہدین نے سمجھا ہے۔ احادیث صحیحہ اور صحابہ، تابعین اور مفسرین کے اقوال کی رو سے فی سبیل اللہ کے الفاظ اس جگہ عام طور پر صرف مجاہدین کے لیے مختص ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس تحریر کے بوجھل ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو مفسرین اور مجتہدین وفقہاء کے اقوال نقل کر کے بتایا جاتا کہ فقہاء امت کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ فی سبیل اللہ خاص اصطلاح ہے جو جہاد کے معنیٰ کے لیے مخصوص ہو چکی ہے اور زکوٰۃ کے ضمن میں اس کے علاوہ اس کا کوئی اور معنیٰ مراد ہی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اوپر جن صحابیہ کا ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر سے حج کے لیے اونٹ مانگا اور شوہر نے کہا کہ وہ میں نے فی سبیل اللہ دے رکھا ہے تو دونوں میں کسی کا دھیان جہاد عسکری کے علاوہ کسی اور طرف نہیں گیا۔ حالاں کہ میاں بیوی میں سے کوئی بھی فقیہانہ شان نہیں رکھتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور صحابہ میں فی سبیل اللہ کے الفاظ سے فوری طور پر جس مفہوم کی طرف ذہن منتقل ہوتا تھا، وہ جہاد ہی تھا۔ لہٰذا اس کا یہ مفہوم منقول عرفی بھی ہے اور منقول شرعی بھی۔ اس لیے اس سے ہر کار خیر مراد لینا منقول عرفی وشرعی کے خلاف ہوگا۔

3. اگر فی سبیل اللہ کے لفظ میں اتنا عموم ہوتا کہ طاعت الٰہی کی ہر شکل اور امور خیر کے ہر پہلو کو اس میں شامل کیا جا سکتا تو پھر قرآن مجید میں ان آٹھ مصارف کو الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی بلکہ صرف فی سبیل اللہ کے ذریعے ان امور کو بیان کر دیا جاتا۔ اس طرح تو ان آٹھ مصارف کا الگ الگ بیان نعوذ باللہ فضول اور بے فائدہ قرار پاتا ہے۔

4. زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادات کو اسی شکل وصورت میں بجالانا ضروری ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر فرمایا ہے۔ کسی بھی عبادت کے ذریعے حاصل ہونے والے فوائد، اس عبادت کا مقصد حقیقی نہیں ہوتے، سوائے ان مقاصد کے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرما دیے ہیں۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ مقاصد عبادت جو بھی ہوں، اگر کسی اور ذریعے اور طریقے سے حاصل ہو جائیں تو بھی عبادت کی فرضیت اور اسے ادا کرنے کی شکل وصورت میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً نماز کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے، اگر کسی مراقبے وغیرہ کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے یا روزے کا مقصد رضائے الٰہی کی نیت کیے بغیر بھوکے رہ کر حاصل کیا جا سکتا ہو یا یہ سمجھ کر کہ حج کے ذریعے عالمگیریت کا رنگ پیدا ہوتا ہے، بین الاسلامی کانفرنسیں منعقد کر کے حج کا بدل تلاش کیا جائے تو ایسے اقدامات ان عبادات کا بدل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مقاصد میں سے ایک مقصد اقتصادی بھی ہے، اگر یہ مقصد

قومی بچت کے منصوبوں اور فلاحی کاموں سے حاصل ہو جائے تو زکوٰۃ کا بدل نہیں قرار پائے گا۔ اسی طرح فقراء کو براہ راست زکوٰۃ دینے کے بجائے اسے اجتماعی منصوبوں پر خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا کیوں کہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ فقراء کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے تاکہ وہ خود اپنی ضرورتوں کا تعین کر کے اسے خرچ کرنے میں آزاد ہوں۔ الغرض یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب، اس کی شرح، اس کی وصولی اور تقسیم وغیرہ کے لیے ان شرائط اور حدود کو پیش نظر رکھا جائے جو شریعت نے مقرر فرمائی ہیں۔ ان سے انحراف کرتے ہوئے خود سے اس کی صورتیں متعین کر لینا شریعت کی منشا سے مطابقت نہیں رکھتا۔

5. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے، زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا ضابطہ بتاتے ہوئے فرمایا:

تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِهِمْ ---[بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ....../ باب اخذ الصدقة من الاغنياء و ترد فی الفقراء......]

"ان کے مال داروں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور وہاں کے محتاجوں میں خرچ کی جائے گی"---

اس ضابطے سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا اہم ترین مصرف فقراء ومساکین ہیں، اسی لیے مصارف زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے بھی انہیں سرفہرست رکھا گیا ہے۔ اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے غریبوں اور محتاجوں کو پرفریب نعروں کے ذریعے بہلانے کے بجائے حقیقی اقدام کرتے ہوئے انہیں زکوٰۃ کا اوّلین مستحق قرار دیا ہے۔ فی سبیل اللہ کا دائرہ وسیع کرنے اور ہر کار خیر کو اس میں شامل کرنے سے فقراء ومساکین کو زکوٰۃ سے محروم کرنے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ کی وصولی کا یہ راستہ کھل جانے سے مختلف فلاحی تنظیمیں میدان میں اتر آئیں گی اور اجتماعی اور رفاہی کاموں کے خوب صورت عنوانات اور منصوبوں کے ساتھ منظّم انداز میں مال زکوٰۃ سمیٹنے میں لگ جائیں گی۔ اس صورت حال میں وہ طبقہ کہ جس کی امداد واعانت کے لیے اسلام نے نظام زکوٰۃ وضع کیا ہے، ان کی حقیقی امداد واعانت کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔

باخبر لوگ جانتے ہیں کہ پوری دنیا میں، بالخصوص ترقی پذیر ممالک میں ایسی تنظیموں کی کمی نہیں، جو "اجتماعی بہبود"، "رفاہ عام"، "قومی اور ملکی مفادات" وغیرہ کے دل فریب ناموں سے اہل ثروت کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پروپیگنڈا کے زور پر ان سے عطیات وصول کر کے ذاتی ملکیتوں میں اضافہ کرنے میں لگے رہتے ہیں اور محتاجوں کی فلاح و بہبود پر بہت کم حصہ ہی

خرچ ہو پاتا ہے۔ یقیناً، اخلاص وصدق نیت سے کام کرنے والی تنظیمات موجود ہیں مگر ان تنظیموں کے فنڈ ز کا قابل لحاظ حصہ ان کے لگژری اور ائیر کنڈیشنڈ دفاتر، ٹرانسپورٹ کی ضرورت اور عملے کی بھاری تنخواہوں وغیرہ پر خرچ ہو جاتا ہے۔ بہت سی تنظیمیں فلاحی کاموں کے ساتھ ساتھ سیاسی اور نظریاتی ایجنڈا بھی رکھتی ہیں اور فلاحی، سیاسی اور نظریاتی کام پہلو بہ پہلو اور باہم مربوط انداز میں انجام دیتی ہیں، ایسی صورت حال میں تنظیمی سرگرمیوں کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فنڈ ز کی آمد وخرچ میں بھی ارتباط موجود رہتا ہے اور ان میں امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسی تنظیمات کے ذریعے زکوٰۃ کے اموال کی وصولی و تقسیم، نظام زکوٰۃ کے مقاصد حقیقی سے ہم آہنگ ہو سکتی ہیں؟

غیر سرکاری تنظیموں کے علاوہ ارباب اقتدار بھی میدان عمل میں موجود ہیں، جو قومی خزانے سے اجتماعی فلاح و بہبود کے منصوبے بناتے ہیں مگر ان منصوبوں کے ذریعے محتاجوں اور بے کسوں کی حالت میں کتنی تبدیلی آئی ہے اور بے درد ہاتھوں نے کتنی لوٹ مار مچائی ہے، اس سے ہر شخص آگاہ و باخبر ہے۔ کیا ہر کار خیر کو فی سبیل اللہ میں شامل کر لینے سے سرکاری نگرانی کے قومی اور اجتماعی فلاحی منصوبوں کو مستثنیٰ کیا جا سکے گا؟ یقیناً نہیں، پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ زکوٰۃ کے اموال سے غریبوں کے لیے کوئی روپیہ بچ پائے گا، جس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں گے۔

6. اس حوالے سے اہم سوال یہ ہے کہ کیوں نہ اعلائے کلمۃ اللہ کی ہر کوشش کو شامل جہاد سمجھتے ہوئے عسکری جہاد کے ساتھ دعوتی، قلمی، تعلیمی، فکری، سیاسی اور معاشی جہاد کو بھی فی سبیل اللہ میں شمار کیا جائے؟ تاکہ مال زکوٰۃ سے ایسے مراکز کا قیام ممکن ہو جہاں فکری، تعلیمی، تربیتی اور تصنیفی کوششوں سے اسلام کا دفاع کیا جائے اور اسلام دشمن قوتوں کو روکا اور دبایا جا سکے۔ اگرچہ یہ نظریہ نہایت معقول اور حقیقت پسندانہ معلوم ہوتا ہے مگر جہاد اسلامی کا یہ تصور، مصرف زکوٰۃ کے ضمن میں اسی طرح کے اثرات کا حامل ہے جس طرح کے اثرات کا جائزہ فلاحی امور پر زکوٰۃ خرچ کرنے کے ضمن میں اوپر لیا جا چکا ہے۔ اس طرح تو مسلم معاشرے کی ہر سرگرمی کو اسلام کا جوڑ لگا کر جہاد تصور کر لیا جائے گا اور ہر کوئی زکوٰۃ کے حصول کے لیے پیش پیش دکھائی دے گا۔ ان حالات میں فقراء و مساکین کے لیے زکوٰۃ کہاں بچے گی، جب کہ واضح کیا جا چکا ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف اوّل فقراء ہی ہیں اور درحقیقت زکوٰۃ کی دو ہی جہتیں ہیں، ایک جہت اغنیاء اور مال داروں کی ہے اور دوسری فقراء و مساکین کی۔ مال داروں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے اور فقراء کو دی جاتی ہے۔

پاکستان میں اس طرح کی اقسام جہاد کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دینا اس لیے بھی مشکل ہے کہ یہاں حکومت کی مخالفت اور فرقہ وارانہ جدوجہد کو بھی جہاد کا عنوان دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ فتنہ انگیزی کہ جس نے ملک کے چپے چپے کو خون سے رنگین کر دیا ہے، اسلامی جہاد کے نام سے پیدا ہوئی اور اسی نام سے نشوونما پا کر برگ و بار لائی ہے۔ زکوٰۃ کے مصرف کے طور پر ایسا تصور جہاد، شریعت کا منشا نہیں ہو سکتا کہ جس کے نتیجے میں مسلمان باہم ٹکرا ٹکرا کر کمزور ہو رہے ہوں اور کفر کو تقویت اور توانائی مل رہی ہو۔ ماضی میں جہادی تنظیمیں بلا روک ٹوک نفلی صدقات کے ساتھ زکوٰۃ واجبہ بھی جمع کرتی رہی ہیں اور اہل ثروت دینی حمیت کا تقاضا سمجھ کر انہیں مال زکوٰۃ دیتے رہے ہیں، مگر نتائج سب کے سامنے ہیں۔ غالباً، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسی ہی جہادی سرگرمیوں کے بجائے حاجیوں پر مال زکوٰۃ خرچ کرنے کو ترجیح دی۔ ابوالحکم عبدالرحمٰن بن ابی نعم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دریافت کرنے لگی کہ میرے خاوند نے اپنا مال فی سبیل اللہ دینے کی وصیت کی ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ وہ اس کے کہنے کے مطابق فی سبیل اللہ ہو گیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے اسے واضح جواب نہ دے کر اس کی الجھن میں اضافہ ہی کیا ہے۔ فرمایا:

تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اس سے یہ کہہ دوں کہ ان لشکروں کو دے دو جو زمین میں فساد پھیلاتے پھر رہے ہیں اور رہزنی کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے جواب کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: میں نے اسے یہ کہا ہے کہ وہ اس مال کو نیک حاجیوں کے سپرد کر دے کیوں کہ یہی لوگ رحمٰن کا وفد ہیں، یہی لوگ رحمٰن کا وفد ہیں، یہی لوگ رحمٰن کا وفد ہیں اور شیطان کے وفد کی طرح نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ شیطان کا وفد کون لوگ ہیں؟ فرمایا:

قوم یدخلون علیٰ ھٰؤلاء الأمراء فینمون إلیھم الحدیث و یسعون فی المسلمین بالکذب فیجازون الجوائز و یعطون علیہ العطایا---

[قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۸، صفحہ ۱۸۵]

''وہ ایسے لوگ ہیں جو حکمرانوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور فساد انگیز باتیں بتا کر انہیں اکساتے ہیں اور لوگوں میں جھوٹی باتیں پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، جس پر انہیں وظائف دیے جاتے ہیں اور عطیات ملتے ہیں''---

درج بالا سطور میں زکوٰۃ کے ایک اہم مصرف ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کے نظریے پر بحث کی گئی ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ مدارس دینیہ میں زیر تعلیم نادار طلباء، اشاعت علم و دین کے لیے وقف

محتاج علماء اور ہسپتالوں میں داخل غریب و مستحق مریضوں وغیرہ پر زکوٰۃ خرچ کرنے کا کیا ضابطہ ہے؟ اس کے متعلق الگ عنوان کے ساتھ گفتگو کی جائے گی، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

⑧ ابن السبیل (مسافر لوگ)

سبیل کا معنیٰ راستہ اور ابن السبیل کا مطلب ہے راستے کا فرزند۔ راستے میں مسلسل رہنے کی وجہ سے مسافر کو ابن السبیل کہا جاتا ہے۔ یہاں مسافر سے مراد وہ شخص ہے، دوران سفر جس کے پاس زادراہ ختم ہو گیا ہو اور مال حاصل کرنے کی کوئی صورت نہ ہو، ایسا مسافر زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے، اگرچہ وہ اپنے ملک اور شہر میں دولت مند ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ وہ اس وقت حاجت مند ہے۔

قرآن کریم میں ابن السبیل کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور متعدد مقامات پر رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کے ساتھ ابن السبیل پر خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام سفر کو اہمیت دیتا ہے اور اسے اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے، مثلاً فرمایا:

قُلْ سِیرُوا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ---[العنکبوت:۲۰]

''فرما دیں کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی''---

ایک اور جگہ فرمایا:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیرُوا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ○---[آل عمران:۱۳۷]

''تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں، ذرا چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا''---

گویا سفر حصول علم اور حصول عبرت و نصیحت کا مؤثر ذریعہ ہے۔ سفر کے ذریعے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے اور راستے کے خرچ کی استطاعت رکھنے والوں پر ہی حج فرض ہے[آل عمران:۹۷] سفر تلاش رزق کا اہم وسیلہ ہے، اس لیے فرمایا:

فَامْشُوا فِی مَنَاکِبِھَا وَ کُلُوا مِنْ رِزْقِہٖ---[الملک:۱۵]

''زمین کی چھاتی پر چلو اور اللہ کے دیے ہوئے سے رزق کھاؤ''---

جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھروں سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے:

انْفِرُوا خِفَافًا وَ ثِقَالًا وَ جَاھِدُوا بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ---

''نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ''---[التوبہ:۴۱]

الغرض، سفر متعدد فوائد کا حامل ہے۔ اس سے حیات انسانی کے مطالعہ اور آیات الٰہیہ میں غور و تدبر کا موقع ملتا ہے اور نہ صرف ملت اسلامیہ کے افراد باہمی طور پر اخوت و محبت کے رشتوں کو مستحکم کرتے ہیں بلکہ دیگر اقوام سے بھی تعلقات استوار ہوتے ہیں، جس سے امن و سلامتی کو فروغ ملتا ہے۔

سفر کی حوصلہ افزائی کے منطقی نتیجے کے طور پر اسلام، مسلمان مسافروں کے لیے خاص احکام دیتا ہے۔ عام حالات میں مسافروں کی اعانت کا حکم ہے، لیکن جب کبھی کسی مسافر کا متاع سفر اچانک ختم ہو جائے اور وہ لاچار و مجبور ہو جائے تو مقامی افراد زکوٰۃ دے کر اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ یہ ایسی امداد نہیں جو بطور قرض ہو اور واپس کیے جانے کے ساتھ مشروط ہو بلکہ زکوٰۃ کے دیگر مستحقین کی طرح قطعی امداد ہے، جس کی واپسی کی ضرورت نہیں۔ تاہم اس کے لیے کچھ شرائط ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1. مسافر کا سفر جائز مقصد کے لیے ہو، مثلاً: بیت اللہ کا حج، حصول تعلیم، تجارت، سیاحت، سماجی معاملات، دین کی خدمت، گھریلو امور اور علاج معالجہ وغیرہ کے لیے۔ ناجائز کام مثلاً کسی کو قتل کرنے کی نیت ہو، چوری کا ارادہ ہو یا حرام تجارت کے لیے نکلا ہو۔
2. جس جگہ مسافر موجود ہے، وہاں حاجت مند ہو اور گھر میں واپس پہنچنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ ہو اور اگر وطن واپس آنے کے لیے اس کے پاس مال ہو تو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔

مسافر کے لیے یہ درست نہیں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ لے۔ اگر قرض لے سکتا ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے مگر قرض لینا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے بعد میں ادا نہ کر سکے۔ اگر زکوٰۃ سے لیا ہوا مال اس کی ضرورت سے بچ جائے تو اسے صدقہ کرنا یا لوٹانا ضروری نہیں۔ عام فقیر اور مسافر حاجت مند میں فرق یہ ہے کہ فقیر اپنی ضرورت سے زائد لے سکتا ہے مگر مسافر حاجت مند کے لیے ضرورت سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔[رد المحتار، جلد۲، صفحہ۶۷]

مسافر کی حاجت مندی سے معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو اپنے مال پر قدرت نہ رکھتا ہو، زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ مثلاً کوئی تاجر اپنے شہر میں رہتے ہوئے اپنے مال کے استعمال پر اس لیے قادر نہ ہو کہ اس کا لوگوں پر قرض ہو اور وصولی کی کوئی صورت نہیں ہے اور ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے پاس مزید مال نہ ہو تو وہ بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

[البحر الرائق، جلد۲، صفحہ۲۴۲/ رد المحتار، جلد۲، صفحہ۶۷]

❁❁❁❁❁

جنت حاصل کرنے کا آسان طریقہ

حضرت علامہ مفتی محمد امین مدظلہ

جنت ایک ایسی بے بہا نعمت ہے کہ اس کی شان کا کوئی بھی انسان اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ رسول اکرم نبی محترم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیشان بیان فرمایا ہے:

مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَ لَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَ لَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ---[بخاری]

”جنت ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے ایسی دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی انسان کے دل پر اس کا پورا تصور آ سکتا ہے“---

اس کی قیمت ہے تقویٰ، اعدت للمتقین اور تقویٰ کی اساس اور تقویٰ کا ستون نماز ہے۔ اس جنت کے حاصل کرنے کے لیے ایک مثال بیان کی جاتی ہے:

تمثیل

کسی بادشاہ نے کسی بہت ہی وسیع جگہ پر ایک نہایت شان دار کالونی بنائی، اس میں بہترین اور نہایت قیمتی محل بنائے، اپنی رعایا کو الاٹ کرنے کے لیے۔ جب وہ کالونی بن گئی، تیار ہوگئی تو اس بادشاہ نے ایک معتمد علیہ کارندے کو الاٹ کنندہ آفیسر مقرر کر کے اعلان کرادیا کہ جس کسی کو محل چاہیے، وہ درخواست لکھ کر میرے نمائندہ کی خدمت میں پیش کرے اور دستخط کرا کے وہ محل اپنے نام الاٹ کرالے۔ اس اعلان پر لوگ آتے گئے اور درخواستیں پیش کر کے اس مجاز آفیسر سے محل حاصل کرتے رہے۔

اسی سلسلہ میں ایک رعایا کا آدمی، اس نمائندہ خاص کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کی، مجھے بھی ایک محل عنایت ہو جائے۔ اس نہایت مہربان آفیسر نے کہا، ہاں ہاں! بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ بھی محل الاٹ کرالیں۔ بس آپ درخواست لکھ لائیں، باقی کام میں خود کرالوں گا۔ وہ شخص کہے، میں درخواست نہیں لکھوں گا۔ وہ آفیسر کہے، چوں کہ آپ اپنے بندے ہیں، لہٰذا درخواست بھی میں لکھ دیتا ہوں، آپ صرف دستخط کر دیں یا انگوٹھا لگا دیں۔ وہ شخص کہے، نہ میں دستخط کروں گا، نہ میں انگوٹھا لگاؤں گا۔ تو بتایئے کہ ایسے بندے کو محل الاٹ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ تو بالکل قانون شکنی ہے۔

یوں ہی بلاتشبیہ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی وسیع اور نہایت ہی شان دار ایک کالونی بنائی ہے، جس کا نام ہے جنت۔ اس کے محل ایسے کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی، گارا کستوری کا، جس کے سنگ ریزے لولوٴ، موتی، مرجان کے ایسے کہ پوری دنیا اس ایک موتی کی قیمت نہیں بن سکتی۔ اور اس کالونی یعنی جنت میں محلات کی الاٹ منٹ کے لیے نمائندہ مقرر کیا، اپنے حبیب کو، جن کا نام نامی اسم گرامی ”محمد“ ہے۔ ﷺ

تاجدار مدینہ ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں:

جُعِلْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَیْنَکُمْ---[صحیح بخاری]

”اللہ تعالیٰ نے تقسیم کنندہ مجھے مقرر کیا ہے“---

نیز فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَ خَازِنٌ وَ اللّٰهُ یُعْطِی---[صحیح بخاری]

”دیتا اللہ تعالیٰ ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں“---

نیز زرقانی علی المواہب میں ہے:

أَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یقسم الجنة بَیْنَ أَھْلِھَا---

”اللہ تعالیٰ کے حبیب ہی جنتیوں میں جنت تقسیم کریں گے“---

ان سے لوگ درخواستیں پیش کر کے جنت کے محل الاٹ کراتے گئے، ان محلات کی قیمت ہے تقویٰ اور تقویٰ کی پہلی سیڑھی نماز ہے:

اَلصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّیْنِ---

”نماز ہی دین کا ستون ہے“---

اگر کسی مکان یا محل کے ستون گر جائیں، تو وہ محل بھی گر جاتا ہے۔ الحاصل نماز تقوے کا

ستون اور بنیاد ہے، نماز کے بغیر کوئی تقویٰ نہیں۔

مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں اپیل ہے کہ نماز میں کوتاہی نہ ہونے دیں، ورنہ جنت سے محروم کردیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا کرے اور نماز پابندی سے پڑھنے کی توفیق عطا کرے۔ و اللّٰہ تعالیٰ الموفق و نعم الوکیل

بلاتشبیہ ایک آدمی آئے، یارسول اللہ! مجھے بھی محل الاٹ فرمادیجیے۔ وہ فرمائیں، بڑی خوشی کی بات ہے، تو مسجد میں آکر خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھا کر، تیرے نام بھی محل الاٹ کردیا جائے گا۔ وہ آدمی کہے، میں خشوع وخضوع والی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ وہ فرمائیں، چلو وضو کرکے مسجد میں آجا اور جیسی بھی ہوسکے نماز پڑھ لیا کر۔ وہ آدمی کہے، میں یہ بھی نہیں کروں گا، نہ میں مسجد میں آؤں گا، نہ نماز پڑھوں گا۔ تو بتایئے کہ ایسے بندے کو جنت مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں مل سکتی، کیوں کہ یہ تو سراسر قانون شکنی ہے۔

نیز جنت جانے کے لیے ایمان شرط ہے، یعنی جس کا ایمان پر خاتمہ نہ ہوا، وہ جنت میں قدم نہیں رکھ سکتا اور یہ قرآن وحدیث کا اٹل فیصلہ ہے۔ اسی لیے شیطان، مومن بندے کے مرتے وقت اس کا ایمان چھیننے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی ایمان بچا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْآخِرَۃِ---

یعنی اللہ تعالیٰ ہی ایمان والوں کو ایمان پر ثابت رکھتا ہے، لہٰذا جس نے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا، نمازیں پڑھتا رہا، اس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ بچائے گا۔

فَاذْکُرُوْنِیْ أَذْکُرْکُمْ---

اے بندو! تم مجھے یاد رکھو، نمازیں پڑھو، تو میری رحمت تمہیں یاد رکھے گی۔ ایسے بندے کا ایمان ایک شیطان کیا لاکھوں شیطان اکٹھے ہوجائیں تو نہیں چھین سکتے۔ اور اگر بندہ اللہ تعالیٰ کو بھلائے رکھے، نماز بھی نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ایسے بندے کو فراموش کردیتی ہے۔

نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ---

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلائے رکھا، اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ایسے بندوں کو فراموش کردیتی ہے۔ تو پھر شیطان جو کہ بڑا ہی عیار ہے، مکار ہے، راہ مار ہے، اس سے کون بچائے گا؟ وہ تو چٹکی سے ایمان چھین لے گا۔ الامان الحفیظ الامان الحفیظ

لہٰذا اے میرے مسلمان بھائی! اُٹھ، جاگ، ہوش کر، پھر وہاں کف افسوس ملنے سے کچھ نہیں بنے گا۔

تقریبات

سالانہ کانفرنس انجمن حزب الرحمٰن

●

عرس سراپا قدس عارفۂ وقت محترمہ اماں جی رحمۃ اللہ علیہا

●

علامہ احمد علی قصوری اور علامہ تابش قصوری کے تربیتی دروس

●

شہادت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کانفرنس

●

مدنی چینل کا حضرت سیدی فقیہ اعظم کے بارے میں خصوصی پروگرام

صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے فضلائے کرام اور مستفیضین کی تنظیم "انجمن حزب الرحمٰن" کے نام سے سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی سرپرستی میں تقریباً نصف صدی قبل قائم ہوئی تھی--- بحمدہٖ تعالیٰ اس کا حلقۂ اراکین اور دائرہ کار وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے اور یہ انجمن، گلشن نوریہ کے امین، قاسم فیضان حضرت فقیہ اعظم، حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری قادری کی سرپرستی میں تحریری، تقریری اور تبلیغی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہے--- تبلیغی پروگراموں کے علاوہ انجمن کے زیر اہتمام ماہانہ مجلّہ "نورالحبیب" بھی بڑی باقاعدگی سے شائع ہورہا ہے--- دارالعلوم کے

فضلاء و مستفیضین اس انجمن کے مستقل اراکین ہیں، جن کی سالانہ کانفرنس مرکز علم و عرفان دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں ہر سال منعقد ہوتی ہے---امسال انجمن حزب الرحمٰن کے اس سالانہ اجلاس کے لیے 19/12/2010، بروز اتوار، صبح 9 بجے کا وقت طے پایا اور ساتھ ہی بعد نماز ظہر زوجۂ حضرت فقیہ اعظم، عارفۂ وقت، محترمہ اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کے سالانہ ختم شریف کے انعقاد کا اعلان کیا گیا---علی الترتیب ان دونوں پروگراموں کی روداد کا مختصر خلاصہ پیش قارئین ہے:

❶ کانفرنس انجمن حزب الرحمٰن

کانفرنس کی صدارت شہزادۂ فقیہ اعظم حضرت علامہ صاحب زادہ محمد محبّ اللہ نوری قادری دامت فیوضاتہم نے فرمائی، اجلاس میں سیکڑوں علماء کرام نے شمولیت کی---قاری فلک شیر نوری کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا، جب کہ مولانا محمد عامر نوری نے نعت خوانی کی---

نقابت کے فرائض علامہ محمد منشا تابش قصوری، ناظم اعلیٰ انجمن حزب الرحمٰن نے انجام دیے---تلاوت و نعت کے بعد بلند مرتبت شخصیات جن کا سال ۲۰۱۰ء میں وصال ہوا، ان کے لیے ایصال ثواب و دعائے مغفرت، نیز جو علمائے کرام اور مشائخ عظام بیمار ہیں، ان کی صحت و تن درستی کی دعا کی گئی---

بعد ازیں علامہ تابش قصوری نے انجمن کی سالانہ کارکردگی اور ماہ نامہ نور الحبیب پر اٹھنے والے سالانہ مصارف کا گوشوارہ پیش کیا، جس میں بڑی تفصیل سے آمدن اور اخراجات کی وضاحت کی گئی---آمد و خرچ کی تفصیل کے بعد ''نور الحبیب'' کی پالیسی اور مضامین و مقالات پر اظہار خیال کی تمام حاضرین کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنی پسند و ناپسند، نیز بہترین آراء و تجاویز اور اپنے مفید مشوروں سے نوازیں تاکہ ''نور الحبیب'' کا سفر مزید بہتری کی طرف جاری رہے---

ماہ نامہ نور الحبیب کے معیار کو سراہا اور اسے خوب سے خوب تر بنانے اور توسیع اشاعت کی تجاویز دی گئیں---جن علماء کرام نے اظہار خیال کیا یا تجاویز پیش کیں ان میں مولانا محمد امین صابر القادری، مولانا محمد اصغر نوری، جڑانوالا، مولانا محمد ساجد نوری، دیپال پور، مولانا حافظ عبد الرشید نوری، قصور، مولانا پروفیسر خلیل احمد نوری، مولانا غلام مرتضیٰ نوری، مولانا محمد نعیم جاوید نوری، مولانا بشیر احمد نوری، مولانا محمد شریف قادری، لاہور، مولانا نذر محمد نوری، ساہیوال، مولانا الحاج فلک شیر نوری، قاری محمد رمضان نوری، رینالہ خورد اور دیگر علماء کرام شامل ہیں، انھوں نے بھرپور انداز میں اظہار خیال کیا---

پروفیسر محمد امین صابر القادری اور علامہ محمد ساجد نوری نے مضامین کے حوالہ سے مفصل گفتگو کی اور رسالہ کے معیار کو بے حد سراہا---فضلائے دارالعلوم کے علاوہ کمپیوٹر سائنس کے ماہر سلطان منیر رضوی قادری، پھول نگر سے بطور خاص اس محفل میں شامل ہوئے---انھوں نے کہا کہ نور الحبیب

عہد حاضر کے اعلیٰ صحافتی معیار پر پورا اترتا ہے، اسے انٹرنیٹ پر احباب بڑے فخر اور اعتماد سے بھجواتے ہیں اور سبھی پسند کرتے ہیں---انھوں نے کہا کہ اس کے انڈیکس سے ادارہ کی سالانہ اعلیٰ کارکردگی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے---اگر اب تک شائع ہونے والے تمام پرچوں کا انڈیکس یک جا شائع کردیا جائے تو پی ایچ ڈی کرنے والے محققین کے لیے مفید ثابت ہوگا---

مولانا محمد اصغر نوری اور حافظ عبد الرشید نوری نے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والے علماء کرام پر زور دیا کہ وہ تحریر کی جانب متوجہ ہوں---

پروفیسر محمد امین صابر القادری کی تجویز پر طے پایا کہ بیس خریدار بنانے والے کو سال بھر کے لیے مفت پرچہ دیا جائے گا، اس طرح اشاعت میں توسیع ہوگی---علامہ احمد علی قصوری نے اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ''نور الحبیب'' کا تعارفی پوسٹر شائع کرنے کی تجویز دی اور اس سلسلے میں اٹھنے والے مصارف اپنی گرہ سے ادا کرنے کا اعلان کیا---

اس موقع پر صاحبزادہ حافظ محمد ثوبان، جڑانوالا، الحاج فلک شیر نوری، رینالہ خورد، مولانا محمد عثمان جامی نوری، قصور اور سلطان منیر رضوی، پھول نگر نے بیس بیس خریداروں کا چندہ ادا کیا---

حاضرین نے رسالہ کے تمام مضامین کو بالعموم اور پروفیسر خلیل احمد نوری کے سلسلہ وار مضمون ''رہنمائے زکوٰۃ'' کو سراہا اور اسے بے حد مفید قرار دیا---اسی طرح ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری کے لکھے ہوئے اداریوں کو کلمات تحسین سے نوازا---

پروفیسر خلیل احمد نوری نے ادارتی بورڈ میں توسیع کا مشورہ دیتے ہوئے صاحبزادہ محمد نعیم اللہ نوری اور ڈاکٹر مفتی محمد ضیاء الحبیب صابری کا نام بورڈ میں شامل کرنے کا مشورہ دیا، ہاؤس نے پر زور تائید کی، تاہم صدر مجلس نے سردست ڈاکٹر صاحب موصوف کا نام بورڈ میں شامل کرنے کی اجازت دی---

بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر ہاؤس کے متفقہ فیصلہ کے مطابق عمومی چندہ تین سو روپے کردیا گیا، جب کہ مستفیضین دارالعلوم کے لیے خصوصی سالانہ زرِ تعاون حسب سابق ایک ہزار روپے برقرار رکھا گیا---اس کے بعد علامہ احمد علی قصوری، صدر مرکز اہل سنت پاکستان نے حالات حاضرہ کے تناظر میں خصوصی گفتگو فرمائی اور درج ذیل قراردادیں پیش کیں، جنھیں ہاؤس نے بالاتفاق منظور کیا---

قراردادیں

- علماء و مشائخ اہل سنت کا یہ نمائندہ اجتماع اس مسلمہ حقیقت کا اعادہ کرتا ہے کہ رحمت کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں اپنی تعلیمات کے ذریعے نہ صرف بنیادی انسانی حقوق کی جامع طور پر سب سے پہلے بات کرنے والے مقنن، بلکہ ریاستِ مدینہ میں عملاً رائج و نافذ

کرنے والے حاکم کا شرف واعزاز رکھنے والے محسن اعظم ہیں--- آپ حضور ﷺ نے ہی سب سے پہلے میثاقِ مدینہ کے ذریعے اقلیتوں کے جان و مال، عزت وآبرو، حتی کہ ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی حقوق کے تحفظ کو آئین کا حصہ بنایا، لہٰذا تاجدار مدینہ کا کوئی بھی سچا امتی اقلیتوں پر ظلم وزیادتی کا ہرگز روادار نہیں ہوسکتا---

ان حقائق کی روشنی میں علماء اہل سنت کا یہ اجتماع آج کل پاکستان میں گستاخ رسول کی سزائے موت کے قانون کی منسوخی کا مطالبہ کرنے والوں کو باور کرواتا ہے کہ محسن انسانیت ﷺ کی اشارۃً، کنایۃً، تحریراً، تقریراً کسی بھی قسم کی بے ادبی وگستاخی ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی--- توہین رسالت کے قانون کے غلط استعمال کی تدابیر ضرور اختیار کی جائیں، مگر لادین عناصر اور ناروا بیرونی دباؤ میں آکر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C میں ترمیم و تنسیخ کرنا، کسی بھی طرح قرین عقل وانصاف نہیں ہے اور پاکستان کے کروڑ ہا عوام اسے قطعاً قبول نہیں کریں گے---

- علماء ومشائخ اہل سنت کا یہ اجتماع وطن عزیز پاکستان میں خودکش حملے کرنا، کرانا، شرعی اعتبار سے حرام سمجھتا ہے--- تمام شرکاءِ اجتماع حکومت پاکستان سے متفقہ طور پر پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایسی وارداتوں کے انسداد کے لیے موثر عملی اقدامات کرے--- اس کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ دہشت گردانہ وارداتوں اور مزاراتِ اولیاء پر حملوں میں ملوث و گرفتار افراد کو فوری طور پر عبرت ناک سزائیں دے---
- اس نمائندہ اجتماع میں شریک علماء ومشائخ اہل سنت یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ امریکہ کی قیادت میں عالم کفر کی متحدہ افواج نیٹو کے پلیٹ فارم سے ڈرون حملوں کے ذریعے پاکستان کے معصوم بچوں، عورتوں سمیت بے گناہ شہریوں کو شہید کرنے اور ان کی جائیدادیں تباہ کرنے کا سلسلہ فوراً بند کرایا جائے--- ملکی سالمیت اور قومی خودمختاری کے تحفظ کے لیے حکومت پاکستان، تمام مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی مشترکہ کانفرنس کے ذریعے مشاورت کا اہتمام کرے اور پہلے اقدام کے طور پر پاکستان کی سرزمین سے امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کو غلے، تیل، اسلحہ اور دیگر ساز وسامان کی سپلائی بند کردے---

---●---

کانفرنس میں اہل سنت کی صفوں میں اتحاد ویگانگت کے فروغ اور خدمت خلق کو بنیاد بناتے ہوئے تنظیمی کام کے آغاز کے لیے ابتدائی طور پر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کا اجلاس اوائل جنوری ۲۰۱۱ء کو لاہور میں ہوگا--- (ان شاء المولیٰ تعالیٰ)

آخر میں جانشین فقیہ اعظم حضرت صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہم العالی نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل، ملکی اور عالمی حالات، یہود وہنود ونصاریٰ اور عالم کفر کی ریشہ دوانیوں اور دینی ومذہبی جماعتوں کی کارکردگی کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے علمائے کرام کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور معاشرہ کے اندر تقویٰ وطہارت، اتحاد ویگانگت اور نیکی وبھلائی کے فروغ پر زور دیا--- یہ اجلاس سوا ایک بجے دوپہر حضرت قبلہ جانشین فقیہ اعظم دام لطفہ کی دعا پر اختتام پذیر ہوا---

❷ محترمہ اماں جی کا سالانہ ختم مبارک

اسی روز بعد نماز ظہر، حجۃ الاسلام حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی اہلیہ محترمہ اور ہزاروں صلحاء، علماء، حفاظ، قراء اور وابستگان سلسلۂ عالیہ نوریہ کے مریدین کی روحانی امّ مکرمہ "اماں جی" رحمۃ اللہ علیہا کے سالانہ ختم شریف کی روح پرور تقریب ہوئی، جس میں سیکڑوں فضلائے کرام نے شمولیت فرمائی--- نیز کسی اشتہار یا دعوت نامے کے بغیر عوام کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی، جن میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد اور سیاسی وسماجی رہنما شامل تھے---

محترم قاری جان محمد نوری نے تلاوت، جب کہ صاحبزادہ محمد سعد اللہ نوری نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے والد گرامی حضرت جانشین فقیہ اعظم حفظہ اللہ کا کلام پیش کیا، جسے حاضرین نے اشک بار آنکھوں سے سنا، چند اشعار درج ذیل ہیں:

دکھا دیں ہم کو اپنا روئے تاباں یارسول اللہ!	میں صدقے یارسول اللہ، میں قرباں یارسول اللہ!
زبوں حالی فزوں حد سے ہوئی ہے مسلم امہ کی	ہوا دنیا میں اس کا خون ارزاں یارسول اللہ!
کیا ہے یورپی سازش نے ٹکڑے ٹکڑے امت کو	خدارا اس کو کیجے پھر سے یک جاں یارسول اللہ!
نہ مرجھائیں کبھی ایمان کے، اخلاص کے غنچے	پھلا پھولا رہے دیں کا گلستاں یارسول اللہ!

اس موقع پر علامہ عطا محمد گولڑوی، لاہور نے نقابت کے فرائض انجام دیے--- محفل پر خاص روحانی کیفیت طاری تھی، آخر میں ختم شریف پڑھا گیا--- جانشین حضرت فقیہ اعظم قبلہ صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری دامت برکاتہم العالیہ کی دعا پر اس روحانی تقریب کا اختتام ہوا---

❸ تربیتی دروس

انجمن حزب الرحمٰن کی کانفرنس کے موقع پر دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے طلبہ کے لیے خصوصی لیکچرز کا اہتمام کیا گیا، چناں چہ پاک وہند کے معروف ادیب حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری، فاضل دارالعلوم حنفیہ فریدیہ نے عشاء کی نماز کے بعد درس دیا اور حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ کے

ایمان افروز واقعات اور اپنے دور طالب علمی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے طلبہ کو محنت اور حضرت سیدی فقیہ اعظم کے اتباع میں عشق رسول اور پابندیٔ شریعت کا درس دیا، بعدہٗ مفکر اسلام حضرت علامہ احمد علی قصوری نے مختصر خطاب کیا---

۱۹/دسمبر، بعد نماز فجر، جامع مسجد نور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور میں علامہ احمد علی قصوری، چیئرمین پنجاب قرآن بورڈ نے درس دیا، جسے جامعہ کے سیکڑوں طلبہ اور نمازیوں نے پوری توجہ سے سنا--- علامہ صاحب حفظہ اللہ نے ناموس رسالت کے حوالے سے خطاب فرمایا اور حالات حاضرہ میں طلبہ و علماء کی ذمہ داریوں کے حوالے سے فکر انگیز گفتگو فرمائی---

4 شہادت امام عالی مقام کانفرنس

اس بار یوم عاشور جمعۃ المبارک کو تھا، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کی جامع مسجد نور میں شہادت کانفرنس منعقد ہوئی--- قاری عامر سلیم، متعلم دارالعلوم نے تلاوت، صاحبزادہ محمد سعد اللہ نوری اور جناب حاجی اللہ دتہ نے نعت و منقبت کی سعادت حاصل کی--- بعدہ حضرت سیدی جانشین فقیہ اعظم صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری زید مجدہ نے فلسفہ شہادت کے موضوع پر کم و بیش ایک گھنٹہ خطاب فرمایا--- انھوں نے کہا کہ نواسۂ رسول امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کار نے آج سے تقریباً چودہ صدیاں پہلے میدان کربلا میں جو لازوال قربانی پیش کی، تاریخ انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے--- آپ نے جام شہادت نوش کر کے اپنے خون سے گلشن اسلام کی آبیاری کی اور دین اسلام کو ملوکیت کی بھینٹ چڑھنے سے بچالیا---

حالات کا تقاضا ہے کہ مسلم امہ، اسلام کی بقا کے لیے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی لازوال قربانی کے پیغام کو سمجھتے ہوئے اپنے معاملات کو درست کرنے کی کوشش کرے--- شہادت امام عالی مقام سیدنا امام حسین کانفرنس میں علماء و طلباء سمیت زندگی کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے سیکڑوں افراد نے شمولیت کی--- نماز جمعہ کے بعد دعائے عاشورا اجتماعی طور پر پڑھی گئی، جس کی قراءت حافظ عزیز الرحمٰن گوندل، اسلام آباد نے کی اور آخر میں ختم شریف پڑھا گیا---

5 مدنی چینل

دعوت اسلامی کے مدنی ٹی وی چینل نے حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی حیات طیبہ پر خصوصی پروگرام دو قسطوں میں ۱۴/اور ۲۱/دسمبر ۲۰۱۰ء کو نشر کیا، جسے خواص و عوام نے پسند کیا--- مدنی چینل کی انتظامیہ اس علمی پروگرام کی اشاعت پر لائق صد تبریک ہے---

"زمانہ حج کا ہے، جلوہ دیا ہے شاہد گل کو"

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زمیں میں

کوئی عرضی بھی پہنچانی ہوئی جب خالقِ کل کو — مجرب ہم نے سمجھا ہے پیمبر کے توسل کو
اہم فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قناعت کو، توکل کو — رواداری کو ، الفت کو ، اخوت کو ، تحمل کو
نہیں حبِ نبی تو خلد تک کیسے رسا ہو گے — عبور آخر تمھیں کرنا پڑے گا راہ کے پل کو
اگر طیبہ کو جانے کی کوئی صورت نظر آئے — سمجھتا ہوں حرام اس میں تساہل کو، تأمل کو
ہماری زندگی ناموسِ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت ہے — ملی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منظوری ہمارے اِس تحول کو
لڑکپن سے درودِ مصطفیٰ سانسوں کی زینت ہے — ہے ناممکن کہ کوئی روک پائے اس تسلسل کو
کوئی مشکل پڑے ، دکھ ہو کوئی تو یاد کر لینا — حبیبِ خالقِ کل عالمیں کو، سرورِ کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
خدا نے آیۂ "تلك الرسل" کہہ کر رسولوں میں — مسلم کر دیا سرکارِ والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تفضّل کو
نہیں ممکن ، نظام سرورو سرکارِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — قریب اپنے پھٹکنے دے تغیر کو ، تبدل کو
خیال آئے کبھی غیرِ رسول اللہ کا دل میں — تو سمتِ طیبۂ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوڑانا تخیل کو
سرافرازی ملی تھی طاعتِ محبوبِ خالق میں — خدا جانے، چنا ہے کس لیے ہم نے تنزل کو
جو کی سرتابی احکامِ رسولِ پاک سے ہم نے — بنایا ہے گلے کا ہار خود بڑھ کر تذلل کو

جہاں محمودؔ ذکرِ مدحِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو
وہاں منہ مت لگانا تم تجاہل کو ، تغافل کو

راجا رشید محمود

نقشہ اوقات نماز برائے بصیر پور شریف ومضافات --- ماہ جنوری

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری		طلوع آفتاب، انتہائے فجر		ضحوۂ کبریٰ		ابتداء وقت ظہر		اخیر مثل اوّل		اخیر مثل دوم آغاز وقت عصر		غروب آفتاب		وقت عشاء	
-	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ
1	5	40	7	10	11	27	12	11	2	43	3	36	5	14	6	41
2	5	40	7	10	11	27	12	11	2	43	3	36	5	14	6	41
3	5	40	7	09	11	27	12	11	2	44	3	37	5	15	6	42
4	5	40	7	09	11	28	12	12	2	44	3	37	5	15	6	43
5	5	40	7	08	11	28	12	12	2	45	3	38	5	16	6	44
6	5	41	7	08	11	29	12	13	2	45	3	39	5	17	6	45
7	5	41	7	08	11	29	12	13	2	46	3	40	5	18	6	46
8	5	41	7	08	11	30	12	14	2	46	3	41	5	19	6	46
9	5	41	7	08	11	31	12	14	2	47	3	42	5	20	6	47
10	5	41	7	08	11	31	12	15	2	47	3	43	5	21	6	48
11	5	41	7	07	11	31	12	15	2	48	3	43	5	21	6	48
12	5	41	7	07	11	32	12	15	2	48	3	44	5	22	6	49
13	5	41	7	07	11	32	12	16	2	49	3	45	5	23	6	50
14	5	41	7	07	11	32	12	16	2	49	3	46	5	24	6	51
15	5	41	7	07	11	33	12	16	2	50	3	47	5	25	6	52
16	5	41	7	06	11	33	12	17	2	50	3	48	5	26	6	52
17	5	40	7	06	11	33	12	17	2	51	3	49	5	27	6	53
18	5	40	7	06	11	34	12	17	2	51	3	50	5	28	6	54
19	5	40	7	06	11	34	12	18	2	52	3	51	5	29	6	54
20	5	40	7	06	11	35	12	18	2	53	3	52	5	30	6	55
21	5	40	7	06	11	35	12	18	2	54	3	53	5	31	6	56
22	5	40	7	05	11	36	12	19	2	54	3	54	5	32	6	57
23	5	40	7	05	11	36	12	19	2	55	3	55	5	33	6	58
24	5	39	7	05	11	36	12	19	2	56	3	56	5	34	6	59
25	5	39	7	04	11	37	12	19	2	56	3	57	5	35	7	00
26	5	39	7	04	11	37	12	20	2	57	3	58	5	36	7	01
27	5	38	7	03	11	37	12	20	2	58	3	59	5	37	7	02
28	5	38	7	03	11	37	12	20	2	58	3	59	5	38	7	03
29	5	37	7	02	11	37	12	20	2	59	4	00	5	39	7	03
30	5	37	7	02	11	37	12	20	2	59	4	01	5	39	7	03
31	5	36	7	01	11	38	12	20	3	00	4	02	5	40	7	04

آپ کا دربار داتا مرکزِ انوار ہے

منبعِ جود و عطائے سید الابرار ہے — آپ کا دربار داتا مرکزِ انوار ہے
دم بخود آتے ہیں شاہان و سلاطینِ زمن — سیدِ ہجویرؒ کا دَر اس قدر دُربار ہے
ایک مرشد کی طرح ہے رہنما و فیض بخش — آپ کی تصنیف عالی کاشفِ اسرار ہے
خواجۂ اجمیرؒ ہیں مدحت سرا جب آپ کے — عظمتِ والا سے پھر کس شخص کو انکار ہے
گنج ہائے بے بہا ہر وقت بٹتے ہیں یہاں — گنج بخشِ فیضِ ہر عالم کا یہ دربار ہے
احمدِ سرہندؒ ہوں یا خواجۂ اجمیرؒ ہوں — فیضِ داتا کا سبھی اخیار کو اقرار ہے
جد اعلیٰ بھی علی ، خود بھی علی ، رتبہ جلی — سیدِ ہجویرؒ کی عظمت کا یہ اظہار ہے
ان کا اسوہ ، اسوۂ سرکار ﷺ کا عکسِ جمیل — جس نے ان کی پیروی کی، اس کا بیڑا پار ہے
جس کے دل میں الفتِ داتا ہے وہ بخشا گیا — ان کا دشمن ، ان کا مبغض مستحقِ نار ہے
آپ کا در تشنگان علم و عرفاں کے لیے — ایک بحر بے کنارِ رحمتِ غفار ہے
کفر زارِ ہند میں مخدوم داتاؒ کا وجود — مثلِ خورشید سحر اک مطلعِ انوار ہے
پاک دھرتی میں بہر سو امن ہو داتا مرے — دشمنانِ عافیت کی ملک پر یلغار ہے
بے یقینی اور بے دینی نے گھیرا ہے ہمیں — اس سے بچنے کو توجہ آپ کی درکار ہے
سربلندی ، سرفرازی کے لیے ہوں ملتمس — ہے سبک سرامتِ آقا ، مسلماں خوار ہے

نوریؔ دریوزہ گر پر ہو کرم داتا حضور!
لے کے کشکولِ گدائی حاضرِ دربار ہے

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری